جموّں کشمیر کے گوجر

ڈاکٹر آر - آر کھجوریہ

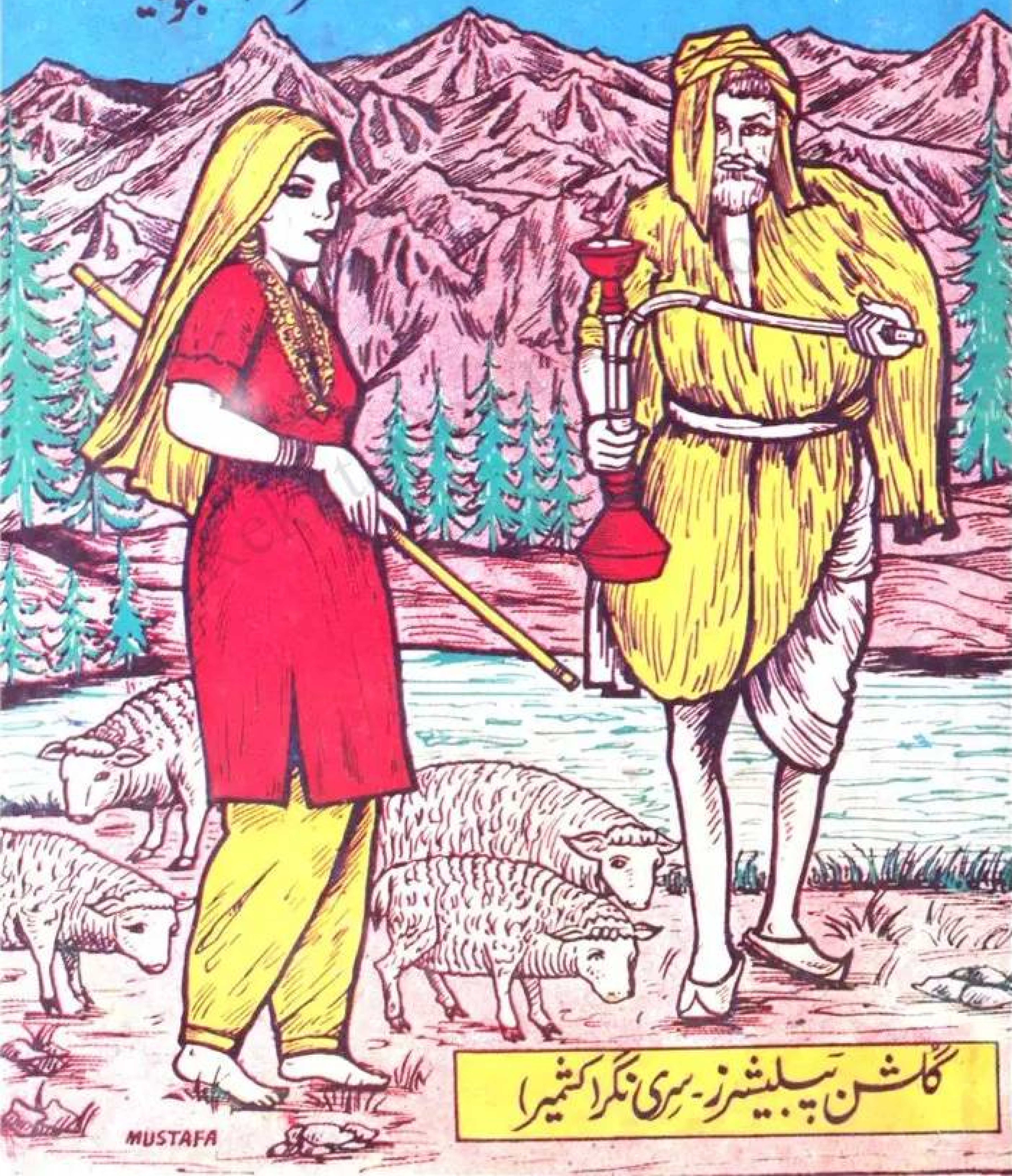

گلشن پبلشرز - سری نگر (کشمیر)

جموں کشمیر کے گوجر

مصنف

ڈاکٹر آر۔ آر۔ کھجوریہ ـــ اے این بھاردواج

RekhtaDownload.com

پبلیشرز

گلشن پبلیشرز، گاؤکدل، سری نگر، کشمیر

جملہ حقوق پبلیشر کے لئے محفوظ ہے۔

نام کتب ــــــــ جموں کشمیر کے گوجر

نام مصنف ــــــــ آر۔ آر۔ کھجوریہ

زیر اہتمام ــــــــ معراج الدین

قیمت ــــــــ تیس ۳۰/- روپے

پہلا ایڈیشن ــــــــ جون ۱۹۸۱ء

تعداد ــــــــ دو ہزار

صفحات ــــــــ ۱۹۲

طابع ــــــــ شیرازی آفسٹ پرنٹر دہلی

کتابت ــــــــ ایم۔ ایل۔ ماوا

ٹائیٹل ڈیزائن ــــــــ مصطفےٰ

پیش لفظ جناب شیخ محمد عبداللہ صاحب

تقسیم کار

شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجران کتب

ایکسچینج روڈ گاؤکدل چوک سرینگر (کشمیر)

(فون ۷۲۰۸۱)

جموں کشمیر کے گوجر

RekhtaDownload.com

مصنف

ڈاکٹر آر۔ آر کھجوریہ — اے این بھاردواج

فہرستِ مضامین

۱۔ تمہید ۔ ۷

2۔ تعارف ۔ ۸

3۔ چند الفاظ ۔ ۱۴

4۔ تواریخی تفصیلات ۔ ۲۵

5۔ ملک کے محافظ ۔ ۴۰

6۔ لاامثال اخلاق ۔ ۵۳

7۔ گوت و ذات ۔ ۵۸

8۔ زبان ۔ ۷۴

۹۔ تفصیل آبادی اور چرانہ ۔ ۸۰

۱۰۔ اقتصادی حالت ۔ ۹۴

۱۱۔ رہائش زندگی ۔ ۱۰۵

12۔ تعلیمی پہلو ۔ ۱۲۰

13۔ جموں و کشمیر کے گوجر ۔ ۱۲۸

14۔ آبادی کا اعداد و شمار ۔ ۱۳۷

15۔ خانہ بدوشں زندگی ۔ ۱۵۴

16۔ تجویز برائے آبادکاری ۔ ۱۶۱

17۔ بکروال ۔ ۱۶۷

18۔ گدی ۔ ۱۷۶ ۔ ۱۹۔ شیخ سرکار کے کارنامے نمایاں ۔ ۱۸۱

RekhtaDownload.com

جناب شیخ محمد عبداللہ چیف منسٹر جموں و کشمیر

پیش لفظ

مجھے یہ جان کر مسرت ہوئی ہے کہ ریاست جموں و کشمیر میں گوجر اور بکروال طبقوں کی سماجی اور اقتصادی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مبنی ایک کتاب اُردو زبان میں ترتیب دی جا رہی ہے۔ میں اس کتاب کی کامیابی کے لئے اپنی نیک خواہشات بھیجتا ہوں۔

آزادی کے بعد ہمارے ملک میں پسماندہ طبقوں کی فلاح و بہبود کے لئے جو تعمیری اندازِ فکر اپنایا گیا ہے، اُس کے تحت ریاست جموں و کشمیر میں بھی گوجر اور بکروال طبقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کے مسائل کو حل کرنے کی کوششیں ہوئی ہیں۔ یہ لوگ صدیوں سے خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتے آئے ہیں اور دور دراز پہاڑوں میں ناموافق موسمی حالات اور بے آسائش گزر اوقات کے باعث اِن لوگوں کی مشکلات بڑھتی ہی رہی ہیں۔ یہاں تک کہ تعلیم اور حفظانِ صحت کی سہولیات بھی انہیں میسر نہیں رہی ہیں۔ یہ سب مشکلات دُور کرنے کے لئے ریاستی حکومت کو بالکل ابتدائی سطح سے شروعات کرنی پڑی ہے۔ اس طرح جو کاوش ابھی تک ہو سکی ہے اُس سے کہیں زیادہ کام کرنے کی گنجائش ہے اور اس کے لئے وسیع مادی وسائل کی بھی ضرورت ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ مذکورہ کتاب اس کے لئے مناسب تحریک کر سکے گی اور اس کی روشنی میں دُور دراز علاقوں میں رہنے والے اور دیگر پسماندہ طبقوں

RekhtaDownload.com

سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے مسائل کی نشاندہی بھی ممکن ہو سکے گی ۔

۵ فروری ۱۹۸۱ء
جموں (توی)

CHIEF MINISTER
JAMMU AND KASHMIR

(شیخ محمد عبداللہ)

RekhtaDownload.com

RekhtaDownload.com

تمہید

شری اے۔ این۔ بھاردواج کا خط مورخہ ۱۵ ؍ جولائی ۱۹۸۰ء کا موصول ہونے پر معلوم ہوا کہ ان نے ڈاکٹر آر۔ آر۔ کھجوریہ کے ساتھ مل کر ریاست کے گوجروں کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے، جس کا نام جموں کشمیر کے گوجر ہے۔ یہ معلوم ہونے پر ازحد خوشی ہوئی ہے۔

کتاب کا خلاصہ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ بہت محنت سے لکھی گئی ہے اور معلومات سے بھرپور ہے۔ جو سجھاؤ دیئے گئے ہیں۔ وہ بھی قابل غور ہیں۔ مجھے امید ہے کہ متعلقہ محکمہ جات اس کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔

میں مصنفوں کو اس کتاب کی تشکیل کے لئے اپنی دلی مبارکباد دیتا ہوں جس انسانی خدمت کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے۔ خدا انہیں کامیابی دے۔

تحریر ۳۰ ؍ جولائی ۱۹۸۰ء

(دستخط) چوہدری طالب حسین

ڈپٹی منسٹر

انیمل و شیپ ہسبنڈری و

گوجر ویلفیر۔

RekhtaDownload.com

تعارف

اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک کا پسماندہ گوجر طبقہ ترقی کرنے سے محروم رہا ہے اور اپنی پسماندگی و غربت کی طرف لوگوں کا دھیان مبذول نہ کرا سکے۔ تاکہ ترقی کی دوڑ میں شریک کار ہو سکیں۔ تاہم حقیقت میں بھگوان کرشن کے گوالے تو یہ لوگ ہی ہیں جو گائے کی خدمت کرتے ہیں۔ اور پشو پالن کر دودھ و گھی فروخت کرتے ہیں۔ مگر ان کی حالت زندگی کے ہر شعبہ میں قابل رحم ہے کیونکہ وقت کے نشیب و فراز میں ان کی حالت دن بہ دن دگرگوں ہوتی چلی گئی جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں کیا ہے۔ مگر بدقسمتی حکومت کا تسلط رہنے کی وجہ سے ملک کے قومی لیڈروں کی توجہ اس طرف پورے انداز سے مبذول نہ ہو سکی۔ اس وقت ہمارے قومی رہنماؤں نے انگریز سامراج کے خلاف آزادی کی لڑائی شروع کر رکھی تھی۔ وہ اپنے ملک کو آزاد کرانے کے جنگ و جدل میں پوری طرح پھنسے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ اس طرف اپنی توجہ مرکوز نہ کر سکے۔ نتیجہ کے طور پر ملک تقسیم ہو کر آزاد ہوا۔ فرقہ وارانہ فساد ہوئے۔ بے رحمی سے قتل و غارت ہوئے۔ لوٹ مار ہوئی۔ ایک دوسرے کو نیست و نابود کرنے کے لئے کئی طرح کی انسانیت سوز وارداتیں بھی ہوئیں۔ مگر آزادی کی نعمت اپنی جگہ

قسم کی ہے جو لا مثال ہے۔ آزاد ماحول کی ہوا میں سانس لے کر لوگ ماضی کے خوفناک واقعات کو بھولنے لگے۔ اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے کیلئے آگے بڑھنے لگے۔ کانگریس پارٹی نے اپنی پالیسی کے مُطابق جس کی یقین دہانی لوگوں کو دی گئی تھی۔ جمہوریت کو رائج کرنے کے لئے آئین کو تشکیل دی۔ تاکہ جمہوری طرز حکومت ملک میں جاری کیا جاسکے۔ جب ملک کا آئین تیار کیا جا رہا تھا، تو اُس وقت کے قومی لیڈروں نے ملک کے کمزور طبقہ کے لوگوں کے تحفظ کے لئے آئین میں خاص جگہ دی۔ تاکہ قانونی تحفظ سے اِن میں بہبود کا کام ہو سکے اور یہ لوگ بھی اپنے ہمسایہ بھائیوں کے برابر شانہ بہ شانہ ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکیں۔ ملک کا آئین تیار کرنے میں سب سے زیادہ دلچسپی ڈاکٹر امبیدکر نے لی تھی جو ملک کے کمزور طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اِس کے علاوہ ٹھکر باپا بھی تھے جنہوں نے مہاتما گاندھی کے زیر قیادت کمزور طبقہ کے لوگوں کو خاص مراعات دینے کے لئے آئین مرتب کرنے والے ممبران کی توجہ مبذول کرائی۔ یہ سارا صلہ ان کو جاتا ہے، جنہوں نے خاص دلچسپی لے کر ان لوگوں کو ملک کے آئین میں تحفظ دیا۔

ملک کے آزاد ہونے پر لوگوں کا اقتصادی ڈھانچہ بکھر چکا تھا۔ مسلمان جو ملک کا اقلیتی طبقہ تھا وہ اپنی زندگیوں کی حفاظت کیلئے اپنے آبائی گھروں کو چھوڑ کر اِدھر اُدھر دور دراز جنگلوں میں بھاگ کر چھپ گئے تھے۔ اِن کے مویشی اور مال و اسباب لوگوں نے لوٹ

PeknaDownload.com

لیا تھا۔ گوجر بھی اِس ظلم و تشدد کا شکار ہوئے۔ انہیں دوبارہ آباد کرنا اور اِن میں بھروسہ کا ماحول پیدا کرنا چونکہ سرکار کی طے شدہ پالیسی تھی لہٰذا سرکاری و غیر سرکاری سطح پر اِن میں کام کیا گیا۔ جو خوف و ہراس اِن میں پیدا ہوا تھا، اِسے دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ اِن کے مکان و جائیداد۔ زمین اور مال مویشی انہیں واپس دِلانے کی کوشش کی گئی۔ مرکزی سرکار کی اِس پالیسی کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کیلئے ہند سرکار کی خصوصی نمائندہ بہن مردولہ سارا بھائی تھی جس نے یونائٹیڈ کونسل فار ریلیف اینڈ ویلفیر کے تحت پاکستان سے ہندو عورتوں اور یہاں سے مسلمان عورتوں کو گمراہی سے نکال کر انہیں واپس ان کے ملک واپس بھیجنے کی ذمہ داری کو نبھایا۔ وہ لوگ جو اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لئے جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپ گئے تھے۔ انہیں واپس اپنے گھر آباد کرانے کی کوشش کی گئی۔ اِن میں بہت سے ہماچل کے غریب گوجر تھے جو اِس تباہی سے بچنے کے لئے جہاں سینگ سمائے، روپوش ہو گئے تھے۔ اِن کی آبادکاری کا مسئلہ ایک بڑا سوال تھا کیونکہ اِن کی اقتصادی حالت بالکل تباہ و برباد ہو چکی تھی۔ مال و مویشی سب لوٹے جا چکے تھے۔ اِس لئے انہیں پورا تحفظ دینے کی ضرورت تھی۔ اِس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے انہوں نے ہماچل کے ضلع چمبہ میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا۔ اِس سارے کام کو انجام دینے اور سرکار کی پالیسی کو

پوری طرح سے عمل درآمد کرنے کی ذمہ داری بہن مرِدولا جی نے مجھے سونپی اور مجھے ہدایت دی کہ بھروسے کا ماحول پیدا کرنے کی پوری کوشش کی جائے۔ مرکزی سرکار ان کے تحفظ کے لئے فکرمند تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے ان کو آباد کر ان میں یقین اور بھروسے کا ماحول پیدا کیا جائے۔ چنانچہ سرکار کے تعاون کے ساتھ ان میں آبادکاری کا کام شروع کیا گیا اور انہیں تحفظ دینے کی پوری کوشش کی گئی۔

ان کے لوٹے گئے مال مویشیوں کو واپس دِلانے کے لئے بہت کام کیا گیا۔ اِس دوران مرکزی سرکار کی توجہ ان کے دوسرے مسائل کی طرف مبذول کرانے کی کوشش کی گئی کہ اگر ان کی طرف خصوصی طور سے توجہ نہ دی گئی تو قوم کا یہ طبقہ آہستہ آہستہ کم ہوکر ختم ہو جائیگا۔ چونکہ اِس وقت ملک آزاد ہی ہوا تھا۔ صدیوں کی جہالت اور پسماندگی سے اِن میں احساسِ کمتری اتنا زیادہ تھا کہ وہ شہری لوگوں سے بات تک بھی نہیں کر سکتے تھے۔ جس طرح چاہے وہ دوکاندار اِن کی پیداوار دودھ، گھی خرید کر عیش کرتے تھے۔ اِن کی پیداوار سے دوسرے لوگ امیر سے امیر اور یہ لوگ غریب سے غریب تر ہوتے گئے۔ اگرچہ دیکھنے میں وہ انسان دِکھائی دیتے تھے۔ مگر دراصل وہ جانوروں سے بھی بدتر ہو چکے تھے۔ حقارت اور نفرت سے دیکھے جانے کی وجہ سے وہ اپنی تکلیفات کو ظاہر نہیں کر سکتے تھے اور نہ ہی اِن

میں اتنی جرأت ہی تھی کہ وہ اپنے مطالبات سرکار کو پیش کرسکیں۔ چنانچہ ان میں پناہ گزیں احساس کمتری، صدیوں کی جہالت دور کرنے اور انہیں قوم کا بہترین جزو بنانے کے لئے مرکزی سرکار نے اپنی توجہ اس طرف مرکوز کی۔ بہن مردولا سارا بھائی دہلی سرکار کی طرف سے چونکہ اس کام کے لئے نمائندہ خصوصی تھیں۔ لہذا ان نے سب حالات کو پنڈت جواہر لال نہرو جو اس وقت سرکار کے سربراہ تھے، کے نوٹس میں لاکر ان کی ہمدردی حاصل کی۔ اس کے ساتھ جنگ آزادی کے مجاہد ہنس راج جن کو اس کام میں بہت دلچسپی تھی، نے بھی بہن مردولا جی کے ساتھ تبادلہ خیالات کر کے ایک لائحہ عمل تیار کرنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ تھی کہ جب پنڈت نہرو ڈلہوزی آئے تھے، تو بہن مردولا جی کی قیادت میں ہماچل کے گوجروں نے ان سے ملاقات کی۔ ان کی تکالیف اور مطالبات کے متعلق ایک میمورنڈم ان کی خدمت میں پیش کرنے کیلئے مجھے کہا گیا۔ ان کی زندگی کن مصائب سے گذر رہی ہے۔ محکمہ جنگلات کے شاہی قانون ان کی اقتصادیات میں کس طرح سد راہ ہیں۔ گویا کہ ان کی زندگی کے ہر شعبہ میں پیدا ہونے والے درپیش مسائل کو پنڈت نہرو کو پیش کرنے کا مجھے موقع ملا۔ سب حالات کو انہوں نے پوری دلچسپی کے ساتھ سنا اور سمجھنے کی کوشش کی۔ جہاں ان کے حالات سے متاثر ہو کر انہوں نے جلسہ میں کہا تھا کہ

"ملک تب تک ترقی نہیں کرسکتا جب اِس طرح کے غریب لوگوں کو جو پسماندگی اور جہالت کی دلدل میں گذشتہ کئی صوبوں سے سسک رہے ہیں۔ ترقی کی دوڑ میں شریک کار نہیں بنایا جاتا۔"
نتیجہ کے طور پر پہلا پانچسالہ منصوبے میں بہن مردولا جی اور رائیزاد ہنس راج کی ہمت اور سفارش سے پنڈت نہرو نے بجٹ کرنے کی سفارش کی۔ جوان کے فلاح و بہبود کے لئے خرچ ہوا۔ اِس کے علاوہ ملک کے لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے قومی سطح پر عظیم کانفرنسیں منعقد کی گیئں جس کا افتتاح بابو راجندر پرساد۔ پنڈت نہرو۔ بخشی غلام محمد نے کیا۔ اِن سب کانفرسوں میں ملک کے بڑے بڑے لیڈروں نے شمولیت کرکے ہمارے کام کی حوصلہ افزائی کی۔ اِس طرح ہماچل میں گوجروں کے فلاح و بہبود کا کام بہن مردولا جی کی قیادت میں پورے زور شور سے شروع ہوا۔ اِس دوران مرکزی سرکار نے ملک کے کمزور اور پچھڑے طبقوں کا از سر نو مطالعہ کرنے کے لئے کاکا صاحب کیلیلکر کی قیادت میں ایک کمیشن کا قیام کیا۔ اپنے پروگرام کے متعلق ملک کا دورہ کرتے ہوئے کمیشن نے چمبہ آنے کا اعلان کیا۔ تاکہ موقع پر جاکر وہاں کے لوگوں کے متعلق پوری رپورٹ حاصل کرسکیں۔ لہذا ہماچل کے گوجروں کے متعلق پوری واقفیت بہم پہنچاتے اور انہیں شیڈولڈ ٹرائیب کی لسٹ میں شامل کرنے کے لئے

گواہی دینے کا غنیمت موقع مجھے حاصل ہوا۔ اپنے بیان کی بناء پر تحریری طور سے ایک میمورنڈم بھی ان کی خدمت میں پیش کیا۔ ہماری جدوجہد کامیاب ہوئی۔ نتیجے کے طور پر ہماچل کے گوجروں کے علاوہ گدّی۔ پنگوالے۔ کنورے لوگ بھی شیڈولڈ ٹرائیب کی لسٹ میں شامل کرنے کا اعلان کیا گیا۔ اِس کامیابی سے ہمارا حوصلہ بڑھا۔ نئی ہمت اور جوش کے ساتھ ان میں فلاح و بہبود کا کام ہونے لگا۔ گویا کہ ہر پانچسالہ منصوبہ کے مطابق جو ان کے لئے بجٹ مخصوص کیا جاتا تھا اس کے مطابق مستقل طور سے ان کی زندگی کے ہر شعبہ میں بہبودی کا کام کیا جانے لگا۔ اس طرح لگ بھگ تیرہ ۱۳ سال فلاح و بہبود کا کام اور ان میں بیداری پیدا کرنے کا مجھے موقع فراہم ہوا چونکہ مجھے ان کے ساتھ متواتر اتنا لمبا عرصہ رہنے کا موقع ملا تھا۔ لہذا اِس دوران اپنی دلچسپی کے مطابق میں اِن کے حالات کو قلمبند کرتا رہا۔ اِس طرح ہمالین گوجر کے نام سے ایک کتاب کا پورا مسودہ تیار کیا۔ اِس دوران ملازمت و دیگر مصروفیات کی وجہ سے اسے شائع نہ کرایا جا سکا۔ اِس دوران مجھے ڈاکٹر آر۔ آر۔ کھٹانہ صاحب سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ تبادلہ خیالات کے دوران معلوم ہوا کہ انہیں بھی ان لوگوں میں کام کرنے کا موقع حاصل ہوا تھا اس لئے ان کے تجربے کا بھی فائدہ اٹھایا جائے اور مشترکہ طور سے مجوزہ کتاب کی تشکیل کی جائے۔ ان کی خواہش کا احترام کرتے

ہوئے 'جموں کشمیر کے گوجر' نام کی کتاب کو مکمل کیا گیا جو آج آپ کے پاس ہے۔

تواریخی تفصیلات کے باب میں ہم نے ان کے متعلق پوری وضاحت کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ لوگ آریہ نسل سے ہیں۔ انگریز مورخین کی رائے جو ہے وہ ان کی اپنی ذاتی تھی۔ جو کسی بنیاد پر مخصوص نہیں تھی۔ ملک کے عالموں، فاضلوں نے انگریز مورخین کی تھیوریوں کو ناقابل اعتبار بنا کر یہ ثابت کر دیا کہ یہ لوگ اس ملک کے قدیمی باشندے ہیں جو آریہ نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس کتاب میں ان کی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق لکھ کر آپ کو پوری واقفیت بہم پہنچانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ قوم کا کارآمد جزو بنانے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ ان میں فلاح و بہبود کا کام کس طرح ہونا چاہیئے۔ ان کی خانہ بدوش زندگی کی لعنت کو کیسے دور کیا جائے ان سب سجھاؤ کو مفصلاً قلمبند کیا ہے۔ اس کے علاوہ گوجر بکروال بورڈ نے جو کام کیا ہے، اس پر بھی وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور جو معلومات حاصل نہیں ہو سکی جسے عوام کی واقفیت کے لئے معلوم ہونا لازمی اور اشد ضروری ہے۔ اس کے متعلق بھی لکھا گیا ہے اور وہ معلومات بھی بہم پہنچانے کی مانگ کی گئی ہے تاکہ ان میں ہونے والے کام کا تناسب پوری طرح معلوم ہو سکے۔

اس کتاب میں یہ سجھاؤ بھی دیا گیا ہے کہ گوجر اور بکروال طبقوں

کے لئے بجٹ و ان کے نشانے پانچسالہ منصوبہ کے تحت جو پورے کئے جاتے ہیں، وہ اعداد و شمار ہر دو طبقوں کے لئے الگ الگ ہونا چاہئے۔ بغیر ان کے لئے آج تک جو کام ہوئے ہیں، ان کی الگ الگ رپورٹ شائع کی جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی سجھاؤ دیا گیا ہے کہ ان طبقوں کے علاوہ گدی اور بھوٹ طبقوں کے لئے بھی اپنی لائین پر فلاح و بہبود کا کام ہونا چاہئے اور ان سب طبقوں کو شیڈولڈ ٹرائیب کی لسٹ میں شامل کرنے کے لئے مرکزی سرکار کو سفارش کرنا چاہئے۔ غیر سرکاری اداروں کو قیام کر کے ان پر ذمہ داری سونپنے کے لئے بھی کچھ سجھاؤ دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ سرکاری محکموں کے پاس کام زیادہ ہونے کے سبب اور ان کے لئے پورے جذبہ و شوق سے کام کرنا مشکل ہے لہذا قومی جذبہ کے پیش نظر غیر سرکاری ادارے زیادہ کامیاب ہو سکتے ہیں۔ ان سب پہلوؤں پر تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ خدمت گذاری کے جس جذبہ سے یہ کتاب حوالہ قلم کی گئی ہے۔ وہ میرے بھائیوں اور لڑکوں کو پسند آئے گی اور اس کا پورا پورا فایدہ اٹھایا جائے گا۔ تحریر ۱۵ اپریل ۱۹۸۰ء

اے۔ این۔ بھاردواج

بھاردواج بلڈنگ
ونایک بازار، جموں (توی)

چند الفاظ

مجھے خوشی ہے کہ اشرف مخلوقات کی خدمت کے لئے میں نے اپنی دیرینہ خواہش کو پورا کیا۔ اس سے مجھے راحت ملی ہے۔ سرکاری و غیر سرکاری مصروفیات کی وجہ سے یہ کتاب آپ کے پاس بروقت پہنچائی نہ جاسکی۔ آخر یہ کتاب میں شری اے۔ این۔ بھاردواج کے تعاون سے آپ کے پاس پہنچا سکا۔ بھاردواج جی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ جرنلسٹ ہونے کے ساتھ قوم کے کمزور اور پچھڑے ہوئے لوگوں کے فلاح و بہبود کے لئے انہوں نے ملک میں بہت کام کیا ہے۔ ملک کی تقسیم کے وقت ظلم، تشدد اور بربریت کے برہنہ ناچ سے انسانیت جب اپنے تحفظ کے لئے رحم کی درخواست کر رہی تھی، تو اس وقت انہوں نے جن پر ہماری ریاست کو فخر ہے۔ بہن مردولہ سارا بھائی کی قیادت میں گوجروں کو اپنے تحفظ میں لیا۔ ان میں بھروسہ ویقین کا ماحول پیدا کر کے انہیں نئی زندگی عطا کی۔ گوجروں کے بہبود کے لئے انہوں نے کیسے اور کس طرح کوشش کی۔ یہ سب اب تواریخی واقعیات بن گئے ہیں۔ جس نے ہمیں اپنی ریاست کے گوجروں کے بہبود کیلئے فایدہ اٹھانا چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ سرکار ان کے تجربہ سے فایدہ اٹھاکر گوجروں کے کام میں اور بھی دلچسپی پیدا کرنے کی کوشش کرے گی۔ میں بھاردواج جی کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔

مجھے اس مضمون میں دلچسپی کیسے پیدا ہوئی۔ وہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے کیونکہ خدا ترس ہونے کے مزاج سے جب میں اِن کو مظلومیت اور مسکینی کی حالت میں دیکھتا تھا، تو اس وقت میرے دماغ میں ان کے حالات جاننے کی خواہش پیدا ہوئی۔ اس وقت میری ڈیوٹی ڈیری ڈیولپمنٹ آفیسر کے طور پر تھی اور بعد میں بطور منیجر ملک سپلائی سکیم جموں، جہاں مجھے گوجروں کی زندگی کو نزدیک سے دیکھنے کا مجھے موقع ملا۔ ہمیں دودھ سپلائی کرنے کے ناطہ ہمارا اِن کے ساتھ بہت تعلق تھا۔ اس دوران مجھے اِن سے اِن کے کئی مسائل پر باتیں کرنے کا موقع ملا۔ ایک سوال جو میرے دماغ میں آتا تھا۔ کہ جب یہ لوگ اس قدر سخت محنت کے بعد اتنی فائدہ مند اور قیمتی اشیاء دودھ و گھی پیدا کرتے ہیں، جس پر سارے سماج کا دار و مدار ہے۔ تو وہ پسماندہ کیوں ہیں اور ان کی اقتصادی حالت دِگرگوں کیوں ہے۔ اور اِن میں احساس کمتری کیوں ہے۔ اِس طرح کے سوال انہیں دیکھ کر یکے بعد دیگرے میرے دماغ میں پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور اس کا جواب پانے کے لئے میں متلاشی رہتا تھا۔ کیونکہ میں یہ دیکھتا تھا کہ جن لوگوں کے پاس صرف ایک دو درجن بھینس ہیں اُنھوں نے بھی دودھ فروخت کر کے نفع حاصل کیا ہے اور اپنی اقتصادی حالت کو بہتر بنایا ہے۔ نیز خوش اسلوبی سے اپنے کنبے کا گذارہ کرتے

ہیں ۔ مگر دوسری طرف ان کے پاس بیسوں بھینسیں ہوتے پر بھی ان کی حالت قابل رحم ہے اور قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں اور نہ ان کے پاس رہنے کا کوئی پورا ٹھکانا ہے اور نہ کوئی مرکان کی دوسری سہولیات ۔ یہ بھی حیران کن ہے کہ جس قدر یہ محنت اور مشقت کرتے ہیں ۔ اس تناسب سے انہیں آمدنی حاصل نہیں ہے ۔ مزدوری کی دَر بڑھ جانے کے باوجود بھی ان پر اس کا اثر نہ ہونا سوال کو اور بھی پیچیدہ بناتا تھا ۔ دوسرے طبقوں کے لوگ جب ترقی کی طرف گامزن ہیں، تو اس طبقہ کے لوگ کیوں نسل در نسل کی پسماندگی میں سسک رہے ہیں ۔ گویا کہ اس جگہ اپنی ملازمت کے دوران ان سے برادرانہ رابطہ قایم کیا ۔ ان کی طرز رہائیش ۔ کھانے پینے ۔ روزگار اور ان کے کاروبار کو نزدیک سے دیکھا اور سمجھنے کی کوشش کی اور جو سوال یکے بعد دیگرے میرے دماغ میں گھومتے تھے ۔ ان کے جواب حاصل کرنے کی کوشش کی ۔ میں نے محسوس کیا کہ فلاح و بہبود کی جو سکیمیں ان کے لئے مخصوص ہوتی ہیں ۔ ان کا پوری طرح عملدرآمد نہ ہونے کی وجہ سے حوصلہ افزا نتائج رونما نہیں ہوتے ۔ اپنے محکمہ کے اعلےٰ افسران و دیگر متعلقہ افسران و لیڈران کی توجہ ان خامیوں کیطرف مبزول کرانے کی میں نے بہت کوشش کی تاکہ یہ بھی ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکیں ۔

ان کی خانہ بدوشی زندگی جو ملک کی تہذیب پر بدنما دھبہ

ہے کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے میں نے تجویز رکھی کہ انہیں ان کی نزدیک کے علاقوں میں زمینیں دیکر مستقل طور سے آباد کیا جائے۔ کالونی کی شکل میں ان کو اکھٹا لاکر ایک جگہ رکھنا اور جدید مالونی آہنگ سے ان کی زندگی بنانے کی کوشش مجموعی طور پر کہاں تک کامیاب ہوگی اور اس میں کیا مشکلات ہونگی۔ اس پر قبل از وقت کچھ تبصرہ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ جو کالونی سرکار نے تعمیر کی ہے، ابھی تک اس میں ایک بھی گوجر کنبہ آباد نہیں کیا گیا، جو کہ قابل غور ہے۔ بیگم عبداللہ جو گوجر بکروال بورڈ کی نائب صدر ہیں نے ممبران بورڈ کو میٹنگ کے دوران تنبیہ کیا تھا کہ وہ موقع پر جاکر اس بات کا جائزہ حاصل کریں کہ متعلقہ سکیم اگر عمل درآمد ہوتی ہے، تو نتایج نشانہ کے مطابق کیا رونما ہوئے ہیں۔ اگر تعمیری طور سے اس کو عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکتا تو اس کی وجوہات کیا ہیں اور ان خامیوں کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے اور جو بجٹ فراہم ہوتے ہیں، اس کے استعمال سے گوجروں بکروالوں کے بہبود میں کہاں تک اضافہ ہوا ہے۔ یہ سب ذمہ داریاں فرائض کے دائرہ میں آتی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ بورڈ کے کسی ممبر نے بھی بیگم صاحبہ کی اس تجویز پر غور کرنے کی تکلیف گوارہ نہیں کی جو کہ بہت اہم تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوثوق طور سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ جن سکیموں پر عملی جامہ پہنایا گیا تھا، وہ کہاں تک

کامیاب ہوئی ہیں اور پسماندگی و ناخواندگی کس تناسب سے کم ہوئی ہے۔

قومی ترقی کی دھارا میں مساوات پر لانے کے لئے مقررہ ذقت کے نشانے کے مطابق اعلان ہونا درکار ہے۔ نتایج کو اخذ کرنے کے لئے ان کی زندگی کے ہر شعبہ میں ہوئی ترقی فلاح و بہبود اور بیداری ایک مخصوص اور ٹھوس پیمانے سے ناپنے کی ضرورت ہے۔ متعلقہ محکمہ جات یا ادارے کو جن پر ذمہ داری عاید کی گئی ہو ایک معیار کے مطابق یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ان میں تعمیری کام شروع ہونے سے لیکر آج تک ان میں مقرر شدہ فیصدی کے حساب سے ان میں ترقی ہوئی ہے یا ان کا پچھڑاپن کس قدر دور ہوا ہے۔ محض اسی طرح سے مقرر شدہ نشانے مکمل ہونے پر ہی یہ قوم کا ایک باوقار حصہ بن کر شانہ بہ شانہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ آگے بڑھینگے۔ اسسٹنٹ پروفیسر ڈیریننگ و اینمل ہسبنڈری کا تجربہ ہونے نیز ڈیری فارمنگ میں ڈاکٹریٹ (پی۔ ایچ۔ ڈی) کرنے کے ناطے جو میں نے ٹیکنیکل مہارت حاصل کیا ہے۔ اس تجربہ کی بناء پر ان کی اقتصادی حالت میں سدھار لانے کے لئے میں نے تجاویز رکھی ہیں تاکہ ان کی غریبی اور پسماندگی دور ہو سکیں۔ ان کی پیداوار یعنی کہ دودھ، گھی کو تحریک باہمی کے ذریعہ کھپت کرنے سے اور ان کے پشوؤں کی نسل سدھار ہونے پر اور چارے کی پریشانی کا حل ہونے پر ان کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا ہونے کی اُمید پیدا ہو سکتی ہے۔

ان کے جو پشو جس جگہ بھی ہیں، وہ لائسنس یافتہ ہونا چاہیے۔ متعلقہ محکمہ پر یہ ذمہ داری عاید ہوگی کہ اگر ان کے پشو جدید و سدھری نسل کے نہیں ہیں اور مناسب مقدار میں دودھ نہیں دیتے تو ان کی نسل سدھار و دودھ کی پیداوار بڑھانے کے طریق پر انہیں ہدایت دی جائے۔ اس کے علاوہ پشوؤں کو پوری مقدار و تناسب سے چارا درکار ہونا لازمی ہے۔ اس پر غور کرنا سرکار کا کام ہے کیونکہ اس ضمن میں سرکار کو ایک واضح پالیسی مرتب کرنی ہوگی جس کے تحت کھیتی باڑی کے دیگر بہبود کے کاموں کے علاوہ زمینداروں کو بلاک ایجنسیوں کے ذریعہ اس ذمہ داری کی طرف راغب کرنا پڑے گا کہ وہ کھیتی باڑی اور سبزی کی پیداوار کے ساتھ ساتھ اپنی زمین کا مقررہ تناسب سے ۳-۱ فیصد سے کم نہ ہو۔ اور پشوؤں کے لئے چارہ پیدا کر کے مارکیٹ میں سپلائی کریں۔ دیہی علاقوں میں چارہ بنک بھی کھولے جائیں، جہاں ہر وقت پشوؤں کے لئے چارہ میسر ہو سکے۔ ہم ان پشوؤں سے دودھ حاصل کرتے ہیں۔ مگر جو ان کو خوراک دی جاتی ہے، وہ مایوس کن ہے۔ پشو بے زبان ہے وہ بیکار کر دودھ دیتا ہے۔ یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم ان کو پوری و مقوی یعنی متوازن خوراک نہیں دے پاتے۔ جب تک نئے طریقے اور ٹیکنیک اپنائے نہیں جاتے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اس صورت میں نہ ان کا سدھار ہوگا اور

نہ پیشوؤں کی نسل میں سدھار ہوگا اور نہ انہیں پورا باتناسب چارہ ملیگا، اور نہ ہی دودھ دگھی کی پیداوار میں اِضافہ ممکن ہوگا۔ اسی طرح سے بہبودی کے نشانے کاغذوں پر پورے ہوتے رہینگے اور کاغذوں پر ہی سورگ کی چکاچوند دکھائی دیتی رہیگی۔ مجھے پوری اُمید ہے کہ سرکار ان لوگوں کے مسائل پر اپنی توجہ مبذول کر کے مناسب کارروائی کرنے پر سنجیدگی سے غور کرے گی۔ مجھے یہ بھی اُمید ہے کہ یہ کتاب ان لوگوں کی بہتری اور بہبودی کے لئے کام کرنے والے سرکاری و غیر سرکاری اِداروں کے لئے مُفید ثابت ہوگی۔ ممکن ہے کہ اس کتاب میں کچھ خامیاں رہ گئی ہوں۔ لہذا پڑھنے والے احباب سے التماس ہے، کہ وہ اپنے خیالات سے روشناس کریں اور اپنے تعمیری و صحتمندانہ نکتہ چینی و تجاویز سے مطلع فرمائیں تاکہ کتاب کے دوسرے ایڈیشن کو اور بھی زیادہ موثر اور کارآمد بنا جا سکے۔

اِس کتاب کی تکمیل میں چوہدری محمد شفیع اور میاں بشیر احمد صاحب نے جو ہمیں تعاون دیا اور جو ہماری حوصلہ افزائی کی۔ اِس کے لئے ہم دونوں مُصنف تہہ دِل سے مشکور ہیں۔ شری سرورتی کسانہ صاحب کے بھی ہم شکرگزار ہیں کہ جب جب بھی ان سے تبادلہ خیالات ہوتا رہا، انہوں نے اپنے تجربہ سے ہمیں نوازا۔ اِس کے علاوہ ہم دیگر افسران کے بھی شکرگذار ہیں کہ جن کے تعاون سے ہمیں معلومات کی تفصیل حاصل ہوتی اور اِسے اس کتاب میں یکجا

کر کے لوگوں کی خدمت میں پیش کر سکے ۔

ڈاکٹر آر۔ آر۔ کھجوریہ

RekhtaDownload.com

(۱) تواریخی تفصیلات

اِس میں کوئی شک نہیں کہ ریاست جموں کشمیر کے گھنے جنگلوں اور دُور دراز پہاڑوں کی غاروں میں رہنے والے گوجر ملک کی ایک اہم دولت ہے، جو ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہے۔ ملک میں بیش بہا قیمتی پیداوار پیدا کرنے والے گوجر قوم کا ایک اہم جزو ہے۔ شہر سے بہت دُور ست پڑا اور ہماچل کے دامن اور جنگلوں میں راجستھان کے ریگستانی علاقوں اور دریاؤں کے کناروں کے میدانی علاقوں میں یہ لوگ اکثر رہتے ہیں۔ اِن لوگوں کی بود و باش اپنی طرز کی نرالی ہے۔ اِن کی زبان اور بول چال کا تلفظ اپنے ہمسایوں سے علیحدہ ہے۔ اِن کا طرز لباس بھی اپنی ہی قسم کا ایک انوکھی طرز کا ہے۔ اِن پر آفرین ہے کہ سینکڑوں سالوں سے یہ لوگ اپنی روایات، رسم و رواج اور تمدن کو اپنے قدیم کی طرح سنبھالے چلے آرہے ہیں۔ اِن کی ایک مشترکہ طرز کی چال ڈھال، اِن کے گھومنے پھرنے اور رہائش کو دیکھ کر فوراً دِل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اِن کا قدیم کیا تھا۔ ماضی میں کیا تھے۔ کہاں سے یہ لوگ آئے۔ تواریخ میں اِن کی جگہ کیا ہے اور اِن کے کارہائے نمایاں کیا تھے۔ کیا یہ کسی بیرونی قوم سے تعلق رکھنے والے ہیں یا خالص آریہ نسل سے ہیں۔ یہ سب سوال یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے

RekhtaDownload.com

جاننے کے لئے آج کا دانشور خواہشمند ہے۔ جو مضمون دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔

یہ شبہ سے بالاتر ہے کہ اپنی تحقیق سے آج کے وِدوانوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ جاٹ۔ گوجر اور اہیر اس ملک کی پرانی قومیں ہیں۔ جن کا ذکر کسی نہ کسی طرح تواریخ میں آتا ہے۔ مگر انگریز ماہران نے اپنے نکتہ نگاہ سے یہ ثابت کرنیکی کوشش کی ہے کہ یہ لوگ یہاں کے قدیم باشندے نہیں بلکہ وسط ایشاء سے اپنے مال مویشیوں کے ساتھ حالات کی مجبوری کی وجہ سے اپنے آبائی ملک سے ہجرت کرکے اس ملک میں وارد ہوئے۔ یہاں سرسبز میدانوں اور جنگلوں میں اپنی سہولیت کے مطابق رہائش پذیر ہوئے۔ اِن کے متعلق بان بھٹ نے اپنی کتاب ہرش چرتر جو کہ ساتویں صدی عیسوی میں لکھی گئی تھی، گوجر قوم کا تذکرہ ہون طبقہ کے ساتھ کچھ کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ راجہ ہرش وردھن کے والد پربھاکر وردھن گویا کہ ہرنوں کے درمیان ایک شیر کی مانند تھے اور وہی تھے جن نے گوجر پرجاگرہ کا لقب اختیار کیا تھا یعنی کہ یہ وہ ہستی تھی جس نے گوجر قوم کو بیدار رکھا تھا۔ اس سلسلہ میں بمبئی گزیٹئر کے حصہ اول میں اور ایتھنوگرافی میں جس کا حوالہ مسٹر نسیس نے دیا ہے ان کا کچھ ذکر ملتا ہے کہ یہ لوگ سفید ہونوں کے ساتھ اس ملک میں داخل ہوئے۔ اس کی تائید مسٹر سمتھ، ڈاکٹر ہارنیل۔ مسٹر بھلا، سیمفر اور ڈاکٹر بھنڈارکر نے بھی کی ہے۔ مسٹر کینیڈی کے خیال کے مطابق یہ لوگ ایران سے آئے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر ایران سے یہاں آنے کی باوثوق دلیل اس

نے نہیں دی۔ آگے انہوں نے لکھا ہے کہ گوجر پہلے سورج کی پوجا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں انہوں نے سورج کی پرستش کرنے میں کوئی خاص دلچسپی نہ دکھائی۔ مسٹر کننگھم نے بھی اس تھیوری کو ہی تسلیم کیا ہے۔ کہ ان لوگوں کا تعلق انڈو سیتھین قبیلہ سے تھا' جو ۷۴۷ قبل عیسوی ہندوستان میں حملہ آور ہوئے۔ مسٹر جیکسن نے ان لوگوں کو خزر کے ساتھ ملایا ہے۔ انہوں نے یہ مطلب نکالا ہے کہ گوجر لفظ خزر لفظ کی ہندوستانی شکل ہے اور یہ خزر قبیلے ہندوستان میں سفید ہیون قبیلہ کے ساتھ داخل ہوئے۔ مسٹر کیمپ ڈیل نے گوجروں کو وسط ایشیاء کی ایک قوم خنزر سے تسلیم کیا ہے۔ اس کا حوالہ بمبئی گزٹیئر میں ملتا ہے۔ یہ بھی ذکر آیا ہے کہ ان کا گوڑ براہمنوں سے تعلق تھا۔ یہ ہندو گوجروں کے پروہت تھے۔ اور اب تک ان سے تعلق ہے۔ جنہوں نے اسلام مذہب اختیار کیا تھا۔

تومر راجپوتوں کو یہ ماہران گوجروں کی ایک شاخ ہی سمجھتے تھے۔ جو راجہ جوالا کی اولاد میں سے تھے۔ کہ یہ شاید توماروں کی طرح کچھواہا اور بربہار وغیرہ سب جوولہ قبیلہ میں سے تھے۔ جو اپنے آپ کو سفید ہیونوں کے خاندان کے راجہ تورمان کی اولاد میں سے خیال کرتے تھے۔ مگر وہ اپنی تھیوری کو تاریخی ریکارڈ کی بنیاد پر ثابت کرنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ مسٹر ہورنسیل نے اپنی کتاب میں دعوٰی کیا تھا کہ ہیون قبیلہ کئی حصوں میں منقسم تھا' جن میں شاہی خاندان بھی تھے اور غلام بھی تھے۔ مگر گوجروں کا ہیون قبیلہ سے تعلق ثابت نہیں ہوتا ہے۔ یہ ایک ہی قبیلہ کے

لوگوں کے نام ہو سکتے ہیں اور ایک ہی قبیلہ کے الگ الگ چھوٹے قبیلوں کے خاص خاص نام بھی ہو سکتے ہیں۔ یا دونوں قبیلوں کے نام بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر شری بھنڈارکر نے اپنے خیالات کا اظہار بھی مسٹر ہورنیل کی تھیوری کی بنیاد پر ہی کیا کہ گوجروں کا ہیونوں سے ٹھیک ٹھیک ذاتی تعلق صاف دکھائی نہیں دیتا۔ لیکن ایک عارضی عام رائے کے لئے جیسے کہ مسٹر ہورنیل کی رائے ہے کہ چھٹی صدی عیسوی کے پہلے حصہ میں وسط ایشیاء کے لوگوں کا بھی جن میں گوجر۔ ہیون اور دوسرے قبیلے جن کا ٹھیک ٹھیک ذاتی تعلق معلوم نہیں ہے، ہندوستان میں داخل ہوئے۔ گویا کہ ڈاکٹر بھنڈارکر نے مسٹر ہورنیل کے خیالات کی ہی تائید کی ہے۔

انہی انگریز ماہرین کی رائے یہ بھی ہے کہ یہ لوگ ماضی میں کسی وقت سنٹرل ایشیاء کے جنوبی حصہ۔ ایشیاء اور یورپ کے سرحدی علاقوں میں رہائش پذیر تھے۔ ایشیاء مائنر میں یہ لوگ کچھ عرصہ پہلے تک رہتے تھے۔ اس خیال سے کہ ان لوگوں کی سفید ہیونوں سے نسلی اور سماجی اعتبار سے بہت مشابہت ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان کا تعلق وسط ایشیاء کے خانہ بدوش ترکوں میں سے ہے۔ اسی طرح دوسرے مورخین نے لکھا ہے کہ ان کا آغاز سمیریا میں ہوا ہے۔ وقت کے نشیب و فراز کی وجہ سے ان لوگوں نے یونان کی طرف کوچ کیا۔ آرگس نام کا ایک گوجر یونان میں مشہور ہوا ہے، جس کی اولاد میں سے سکندر اعظم تھا۔ جس کی

اولاً بعد ازاں کاٹھیاواڑ کے گجرات میں بسنے لگے۔ جو مقام اِن کے نام سے مشہور ہوئے۔ کسی نے اِن کا تعلق متھرا کے بھگوان شری کرشن کے ساتھ ہونے کی نام نہاد واقفیت دینے کی کوشش کی ہے۔

انہوں نے دلیل دی ہے کہ بھگوان کرشن راجہ کنس کو ہلاک کر کے اپنے والد اگرسین کو تخت نشین کر کے جب دوارکا سے روانہ ہوئے تو بھگوان شری کرشن کے گوجر کے لقب پر دوارکا کا نام گوجر ترہ ہوا جو بعد ازاں گجرات میں تبدیل ہوا۔ وقت کے ساتھ گوجر ایک قوم بن گئی اور چاروں طرف پھیل گئے۔ موجودہ سندھ۔ گجرات اور مارواڑ میں آباد ہیں۔ مسٹر کُرک کی اپنی ہی تھیوری تھی۔ انہوں نے لکھا ہے کہ پورے یقین کے ساتھ اِن کی پیدائش کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ مگر روائیتی کہانیوں کے مطابق جو پنجاب میں سنائی جاتی ہیں۔ اس کے مُطابق یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ راجہ نند مہر کی اولاد میں سے ہیں۔ مسٹر اِبٹسن نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جاٹ۔ گوجر اور اہیر ایک شاخ سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ قدیم کے کسی وقت اِن کے ایک ہی بزرگ ہوں۔ وہ خیال کرتے ہیں کہ مختلف وقتوں میں وہ اِس ملک میں داخل ہوئے ہوں۔ اِن وِدوانوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ سفید ہیونوں کے ساتھ جب یہ لوگ آئے، تو وہ راجپوتانہ میں آباد ہوئے تھے۔ مگر مسٹر بھُگر نے اِس تھیوری کی تائید کی ہے کہ گوجر ہیون قبیلے کا ایک خاص حصہ تھے، جو راجپوتانہ

میں بس گئے ۔ مسٹر پی ۔ سی ۔ باغچی کی رائے کے مطابق دوسن قبیلہ ہیون قبیلے کا ایک حصہ تھا ۔ اس لفظ کا قدیمی تلفظ دوسیون ہے جس کا چوتھی صدی عیسوی کا نام گوسر ہے، جو بعد میں لفظ گوسر سے گوجر ہوا ۔ دوسن یا گوجر تیسری صدی عیسوی میں ہیون قبیلے کے ساتھ آئے ہوں گے اور ہیون راجہ کے زوال کے بعد اپنا راجیہ قائم کیا ہوگا ۔ مگر مسٹر گریشن نے جو تاثر دیا ہے وہ اپنی طرز کا ہی ہے ۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ لوگ پانچویں یا چھٹی صدی میں اس ملک میں داخل ہوئے ۔ کماؤں ۔ گڑھوال اور شملہ کے پہاڑی علاقوں سے ہوتے ہوئے میدانوں میں داخل ہوئے ۔ یہاں سے کچھ گوجر وادی گنگا کو عبور کر کے میوات کے علاقے میں چلے گئے ۔ راجپوتانہ کے مشرق میں پھیل گئے ۔ وہ اس علاقہ کی زبان سے اثر پزیر ہوئے ۔ ان کی بہادری کے کارناموں کی وجہ سے ان گوجروں کو راجپوت تصور کیا جانے لگا ۔ ایسا خیال کرنے کا ان کی کچھ وجوہات یہ بھی تھی کہ یہ فرقے ایک دوسرے کے ساتھ کھانے پینے اور رہائش میں منسلک ہیں ۔ جاٹ اور راجپوتوں میں فرق ہے کیونکہ راجپوت سماجک طور سے اپنے کو اونچا تصور کرتے ہیں ۔ مگر جاٹ ۔ گوجر اور اہیروں کی سماجک حالت لگ بھگ ایک جیسی ہی ہے ۔ اگر یہ لوگ قدیم میں ایک ہی تھے، تو انہیں الگ ہونے کی کیوں ضرورت محسوس ہوئی ۔ ایسا ممکن ہو سکتا ہے کہ پرانے وقتوں میں جاٹ اونٹ پالنے

RekhtaDownload.com

والا۔ گوجر پہاڑی چرواہے اور اہیر میدانی چرواہے ہوں۔ اِس طرح اِسی بنیاد پر ان کی تقسیم ہوئی ہو۔ جیسے کہ دوسرے فرقوں میں ہوئی ہے۔ اتہاس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ راجپوت اور گوجر دونوں نے ہی ساتھ ساتھ اپنے پیدائیشی علاقے تبدیل کئے ہیں۔ تبدیلی صرف قدرتی نہیں ہوسکتی۔ اپنے خیال کے اِس تخیل کے ساتھ اسی سکالر نے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ مسٹر ولسن نے اپنا خیال دیا ہے کہ بڑ گوجر راجپوت اور گوجر ساتھ ساتھ رہتے ہیں اور ان کا آپسی تعلق کچھ ضرور ہی ہوگا۔ مگر وہ باوثوق طور سے جاننے میں قاصر رہے، جس سے کچھ قطعی نتیجہ اخذ کیا جاسکے۔

جنرل کننگھم نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ یہ لوگ مشرقی تاتاریوں کے ایک فرقہ کُشن یا یوچی یا توچاری کی اولاد میں سے ہیں۔ حضرت عیسیٰ سے ایک صدی قبل اِس فرقہ کے ایک راجہ نے کابل اور پشاور فتح کئے تھے۔ اِس راجہ کے لڑکے ہِم کدفیس نے جس کے سکے ابھی تک موجود ہیں شمالی پنجاب، متھرا اور بندھیاچل تک اپنی حکومت کا پھیلاؤ کیا تھا۔ اِن کا لڑکا مشہور راجہ کنشک تھا جس نے کشمیر کو فتح کیا تھا۔ اِن کی آبادی عموماً سندھ سے گنگا اور ہزارہ کی پہاڑیوں سے گجرات کے میدانوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اِن کی اکثریت سہارنپور میں ہونے کی وجہ سے پچھلی صدی تک اسی شہر کو گجرات کہا جاتا تھا۔ وہ اپنی ضرورت کے مطابق شمال کی طرف بڑھنے لگے۔ اِن کی اس کھوج کے آگے کوئی روشنی نہ ملنے

کی وجہ سے یہ ہی سمجھا جانے لگا کہ یہ لوگ کسی بدیسی قوم کی اولاد سے تعلق رکھتے ہیں۔ جن کا تعلق ایران کے سفید ہیولوں سے تھا۔ اور آریہ نسل کے نہیں ہیں۔ مگر ان کی یہ تھیوری قابل اعتبار نہ ہو سکی۔ کچھ دیر کے بعد ملک کے اور دوسرے ودوانوں نے اس پر کھوج کرنا شروع کی کہ ان انگریز مورخین کی ان لوگوں کے باہر سے یہاں آنے کی تھیوری تاریخی ریکارڈ کے مطابق کہاں تک ٹھیک ہے۔

علم لا محدود ہے۔ یہ مضمون زیر بحث ہونے کی وجہ سے ہندوستانی ودوانوں نے بھی اس پر کھوج کی۔ انہوں نے دیکھا کہ انگریز عالموں کی تھیوری ریکارڈ کے مطابق ٹھیک نہیں ہے۔ ان کی بیرونی ممالک سے آنے کی تھیوری کسی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی کہ یہ لوگ باہر سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں۔ لہذا ان کی اس دلیل میں کوئی وزن نہیں ہے۔ نئی کھوج کے مطابق دوسرے ودوانوں نے ان کی تھیوری کو اپنی پہلی پھونک سے اڑا دیا۔ شری اوجھا۔ دئید۔ کے ایم منشی۔ ڈاکٹر پوری۔ گنگولی اور جسٹس دنا تھ ورما نے ثابت کیا ہے کہ یہ لوگ بیرونی ممالک سے نہیں آئے بلکہ یہ خالص آریہ نسل سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ شری بیج ناتھ پوری نے اپنی کتاب گوجر پرتہاروں کی تاریخ میں گوجروں کو ہندوستان کے قدیم باشندے تصور کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ ماؤنٹ آبو کے آس پاس یہ رہتے تھے جہاں ان کی عظیم سلطنت تھی۔ اس کے علاوہ شری کے۔ ایم۔ منشی نے گوجروں کے متعلق اپنی کتاب "گلوری آف گوجر دیش" میں مفصل روشنی ڈالی ہے۔ تواریخی ریکارڈ سے ان

لوگوں کو آریہ نسل کے ہونے کا پوری طرح سے ثابت کیا ہے اور انہیں باہر سے یہاں آکر آباد ہونے کی تھیوری کو غلط اور بے بنیاد مانا ہے۔ اس کی تائید سرو شری اوچھا اور کرشن سوامی آئینگر جیسے سکالروں نے بھی کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ اس ملک کے قدیم باشندوں میں سے ہیں۔ ان کا تعلق باہر کی کسی قوم سے نہیں تھا۔ انہوں نے یہ ثابت کیا کہ سفید ہیونوں کے داخل ہونے سے پہلے ملک کے مغربی حصہ میں ان لوگوں کی ایک وسیع سلطنت تھی۔ اس سلسلہ میں ایک مشہور سیاح ہیون سانگ نے ان کی حکومت کی مشہوری کا جو ملک میں دوسرے نمبر پر تھی' کا ذکر کیا ہے۔ اپنے ملک کی حفاظت اور اکائی کو برقرار رکھنے کے لئے کس قدر کارہائے نمایاں کئے جس کی مثال نہیں ملتی۔ مگر کوئی بھی بیرونی حملہ آور ان سے لوہا نہ لے سکا۔ جس نے بھی ان کے ساتھ ٹکرانے کی جرأت کی وہ خود ہی پاش پاش ہو کر نیست و نابود ہوا۔ پھر وہ دوبارہ اس حکومت کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کر سکا۔ اس کے علاوہ ان کی حکومت ستلج کے کنارے گجرات تک پھیلی ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنی حکومت کا سکہ ملک میں اس طرح بھی جمایا تھا۔ اس وقت ان کا بہت اثر و رسوخ تھا۔ یہ معلومات مسٹر کننگھم کی رپورٹ سے فراہم ہوتی ہیں۔

اس کے علاوہ وقت وقت پر کھدائی سے جو کتبے اور ریکارڈ ملتا رہا ہے، اس بنیاد پر بھی ان لوگوں کو ہندوستان کے باشندے ہی کہا جا سکتا ہے۔ انڈین اینٹی کیوری کے حوالہ سے ایک کتبہ کے مطابق یہ پتہ چلتا

ہے کہ 550ء عیسوی میں شمال کی طرف سے گوجر نرپتی نے لاٹ کے بھڑوچ پر حملہ کیا۔ اس کتبہ میں گوجر نرپتی ونس لکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قدیم میں گوجر قوم کی ایک عظیم سلطنت تھی۔ جس وجہ سے انہیں گوجر نرپتی کہا گیا۔ اس کے علاوہ ایپی گرافیکا انڈیکا میں سجن تامر پتر کا حوالہ بھی ملتا ہے کہ 754ء عیسوی میں جب راشٹر کوٹ درنتی درگ نے اجین کو فتح کر کے ہرنیہ گربھ مہادان کا جشن منایا تو گوجر دیش کے باجگذار راجاؤں نے ان کی سرداری کو بخوشی تسلیم کیا تھا۔ اس ملک میں ان کی حکومت جو سب سے پہلے ظہور پذیر ہوئی۔ وہ مونٹ آبو کے نزدیک قائم ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ جس کا راجہ دیاگر مکھ تھا۔ اس حکومت کا دارالخلافہ بھنیال تھا۔ ان کے اقتدار کی وجہ سے یہ علاقہ گوجر کہلانے لگا۔ بعد میں سنسکرت کے ودوانوں نے اس علاقے کو گرجاتر کے نام سے موسوم کیا۔ جس کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے۔ یہ بھڑوچ کی جانب بھی گامزن ہوئے تھے اور ان علاقوں پر اپنی حکومت قائم کی تھی۔ اس وقت ان کی گوجری بولی کو سرکاری زبان کا رتبہ حاصل تھا اور سب کام کاج اسی زبان میں ہوتا تھا۔ بعد میں اس علاقے کو گجرات کا نام دیا گیا۔ ان کے اصلی نام کا تو پتہ نہیں چلتا۔ مگر یہ اپنے لقب سے ہی مشہور ہوئے تھے۔ ان کے لقب کے متعلق مسٹر سمتھ نے جو تحقیق کی ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس نے لکھا ہے کہ چونکہ واکھانگ گور گوسال جو تاج پہنتا تھا وہ سونے کا بنا ہوا تھا۔ اسمیں بھیڑے کے منہ کی تصویر

کھدی ہوئی تھی، کیونکہ گورگوسال کا مطلب بھیڑیے کا مُنہ والا ہے۔ گورگ کو فارسی میں بھیڑے کہتے ہیں۔ لہذا گورگوسال اصل میں واکھتانگ کا ہی لقب تھا۔ اس راجہ نے ایران کے بادشاہ خسرو کی امداد کرتے ہوئے سندھ پر حملہ کیا تھا۔ وہ فاتح ہوا تھا اور اس کا کچھ علاقہ ایران میں شامل کیا گیا۔ چونکہ یہ گورجستان سے چل کر ساکستان ہوتا ہوا سندھ پر حملہ آور ہوا تھا۔ موسم کی خرابی کی وجہ سے اس کی فوج اپنے ملک واپس نہ جاسکی۔ انہوں نے فاتح کے طور پر آگے بڑھنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ وہ اپنے اس ارادہ کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ مونٹ آبو میں اس نے اپنا ڈیرہ جمایا۔ وہاں پر اس نے اپنی حکومت کو منظم کیا۔ وہ ویاگرمکھ راجہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس کی فوج میں اجر و دوسرے فرقوں کے علاوہ گورجی فرقہ کے سپاہی بھی تھے۔ مگر ان سب کو گرجر نام سے پکارا جاتا تھا۔ مگر زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ نام گرجر اتنا مشہور ہوا کہ دوسرے قبیلوں کے لوگ بھی اپنے آپ کو گرجر کہلانے میں فخر محسوس کرنے لگے۔

ادھیوتن کا دیہ مالا گوالیار اور نٹیل سپیر یز کے ایپھر نش کاویتری جو 79-778ء عیسوی میں بھالی پور میں لکھا گیا تھا' کے مطابق ادھیوتن کو ایک خوبصورت گرجر دیس کہا گیا ہے اور وہاں کے باشندوں کو گوجر کہا گیا ہے۔ 837ء عیسوی میں پرتہار ہریش چندر کا خاندان تمام گوجراتر بھومی پر حکومت کرتا تھا۔ گویا کہ اس قدیم ماضی میں اس

قوم کا بول بالا تھا۔ اور یہ ایک حکمران قوم تھی جو ترقی کی چوٹی پر جھوم رہی تھی۔ آرکیولوجیکل سروے آف انڈیا میں 843ء عیسوی کی مہر بھوج کی گوالیار پرشتی بھجن پلیٹ اموگ ورش 871ء عیسوی سے راج شیکھر کے 920ء عیسوی کے گرنتھوں (بال بھارت نرتیہ ساگر پریس) اور سومیشور کریتی کوموری 1154ء سے 1245ء عیسوی کے دستاویزوں میں گورجر ریاستوں کا تذکرہ ملتا ہے اور ان کی حکومت کی مفصل تفصیل ملتی ہے۔ کہ ملک کی سیاسیات میں ان کا ایک اہم کردار رہا ہے 851ء میں عرب سے ایک سیاح جس کا نام سلیمان تھا، نے اپنے سفر نامہ میں جو حالات قلمبند کئے ہیں اس میں سے ملک کی سیاسیات پر روشنی ڈالتے ہوئے مہر بھوج راجہ کے متعلق واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ وہ گرجروں کا حکمران تھا۔ اسے شاہی خاندان گرجر کہا گیا ہے۔ اس نے اسے گوجر بادشاہ کے لقب سے نیاز کیا ہے اور عربوں کا کٹر دشمن لکھا ہے۔ وہ ہندوستان کا حکمران ہوتا ہوا بھی گوجروں کا راجہ ہی مانا جاتا تھا۔ اس کی حکومت قنوج شہر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس معلومات سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ ملک میں پھیلے ہوئے گوجر جہاں کہیں بھی تھے۔ وہ اسے اپنا راجہ تصور کرتے تھے۔ اس کے علاوہ انڈین انیٹی کیوری میں 867ء میں مہر بھوج کی فوج کو گوجر سینا کہا گیا ہے۔ گویا کہ اس راجہ کی فوج کو گوجر فوج کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ گوجر اعظم راجہ مہر بھوج دیو زندگی بھر ملک کی حفاظت

کے لئے جنگ وجدال میں مصروف رہا - ایک طرف راشٹر کوٹ قوم کے
حکمرانوں سے لوہا لیتا رہا اور دوسری طرف سندھ کی عرب حکومت
سے شمشیر آزمائی کرتا رہا - اس راجہ نے اپنی پرتیہار سلطنت میں
آگرہ - اودھ - گوالیار - کاٹھیاواڑ اور گجرات کے علاقے اپنی عملداری
میں شامل کیے - مشرق کی جانب اس حکومت کی سرحدیں بنگال -
بہار کے پال خاندان کی سلطنت سے منسلک تھیں - شمال مغرب کی
طرف سے اس کی حدود دریائے ستلج کے کنارے تک چلی
گئی تھی - مغرب کی طرف اس کی سرحدیں سندھ کی اسلامی مملکت
تک پھیل گئی تھیں - راج ترنگنی میں ذکر آتا ہے کہ راجہ مہر بھوج دیو
کے پوتے مہی پال کو گورجر کہا گیا ہے اور وہ گوجر نام سے مشہور تھا -
اس کی حکومت ۹۱۵ء میں تھی - یہ اتنا بہادر اور جانباز تھا کہ
اس نے حملہ آوروں کو اپنی سلطنت کی سرحدیں چھونے تک نہ دیا
تھا - اس وجہ سے اسے "جلا دینے والی آگ" کہا گیا تھا - ۹۵۰ء
میں چندیلے راجہ مہیشور من کو قنوج کے پرتیہاروں کی طرف مخاطب
کرتے ہوئے یہ کہا تھا - جیسے کہ ایپی گرافیکا انڈیکا میں حوالہ ملتا ہے
کہ انڈین اینٹی کیوری مولراج سولنکی کا ذکر آتا ہے کہ اس راجہ
نے اور ان کے جانشینوں نے گورجر یشور کا لقب اختیار کر رکھا تھا -
جس کا دورِ حکومت ۹۶۲ء میں تھا - دھول کے ہستی کنڈی کے کتبہ
میں ۹۹۷ء کا ہے - اس کے بعد مولراج کو گوجر یشور یعنی کہ گوجروں

RekhtaDownload.com

کا راجہ کہا گیا ہے۔ اِس کتبے کا حوالہ ایپی گرافیکا انڈیکا میں ملتا ہے۔ گویا کہ اِس زمانے میں ایک مشہور گوجر سلطنت تھی، جس کا ملک میں اچھا خاصا دبدبہ تھا۔ گوجر حکومت کا ایک اور ذکر راشٹر کوٹ اینڈ دیئر ٹائیمز میں ہمیں ملتا ہے۔ کہ 953 سنہ میں سیاک پرمار راجہ کی حکومت مالوہ اور گجرات پر تھی اور راجہ گرجر کہلاتا تھا۔ ایپی گرافیکا انڈیکا سے ہمیں ایک اور معلومات حاصل ہوتی ہے کہ کرن سوئم کے سپہ سالار نرسنگھ جس نے مالوہ۔ گجرات اور راجپوتانہ کے کچھ حصوں کو فتح کیا تھا۔ گرجر ادھیراج کا لقب اختیار کیا تھا۔

ایپی گرافیکا انڈیکا کے مطابق 960 سنہ میں راجور (الور) کے متھن دیو نے اپنے کتبہ میں اپنے کو گرجر پرتہاروں کے خاندان سے کہا ہے۔ اِس کے علاوہ پیٹرسن نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ 1136 سنہ میں چندر سوری نے "منی سوات سوامی چرت" میں گرجر دیش کا ذکر کیا ہے۔ انڈین اینٹی کیوری میں ذکر آیا ہے کہ 1139 سنہ میں دوہر کے کتبہ میں جے سنگھ سدھ راج کو گوجر منڈل کا راجہ بیان کیا ہے۔ راج پرتھوی راج چوہان جب برسرِ اقتدار آیا، تو اس نے دہلی اور اجمیر کی حکومتوں کو اکٹھا کر گوجر منڈل نام سے ایک فیڈریشن قائم کی تھی۔ گوالیار اورینٹل سیریز کے مطابق 1186 سنہ میں سوم پربھا نے اپنی "کمار پال بودھ" نام کی کتاب میں گرجر دیش کا ذکر کیا ہے۔ گویا کہ 800 سنہ سے لے کر 1300 سنہ تک کا دور گوجروں کے سیاسی اقتدار کا دور رہا ہے۔ اِس دور میں گوجروں

نے ملک میں جگہ جگہ اپنے راج قائم کئے۔ تقریباً سارے شمالی ہند میں اِن کا راج پھیلا ہوا تھا۔ تواریخی شہادتوں سے پتہ چلتا ہے کہ گوجروں نے بھوپال۔ قنوج۔ اُجین۔ بھڑوچ۔ ٹیکسلا۔ پیہوہ۔ وغیرہ وغیرہ علاقوں میں اپنی مضبوط حکومتیں قائم کی تھیں۔ مہاراجہ مہر بھوج کے زمانہ میں گوجر سلطنت کا جھنڈا سارے شمالی ہندوستان میں لہراتا تھا۔

اِن بھارتیہ سکالروں نے اپنی کھوج میں ان کے متعلق جو تفصیلات بہم پہنچائی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا ماضی قدیم میں بہت شاندار اور لامثال رہا ہے۔ اِس زمانہ قدیم میں اپنی پُرعروج حکومت کے دوران اپنے ملک کی حفاظت کے لئے جوان نے دلیری اور جوہر دکھائے۔ اِس پر ملک کو ناز ہے۔ اِس کے علاوہ سائینس کی رو سے کچھ تجربات کئے گئے۔ اِن کے خون اور نقش نگار کا پوری طرح معائینہ کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ بالکل آریہ نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس میں اب شک کی کوئی گنجائیش نہیں ہے۔ لہٰذا اب یہ بادثوق کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی پُرانی قوموں میں سے ایک یہ بھی پُرانی قوم ہے۔ جس نے اپنی روایات۔ حب الوطنی۔ رسم و رواج اور بود باش کو ہزاروں پریشانیوں اور مصیبتوں کے باوجود بڑی دلیری کے ساتھ سنبھالے رکھا۔ جو ان کے لئے قابل آفرین ہے۔

ملک کے محافظ (II)

اس زمانہ قدیم میں جب ملک کی اکائی بکھر چکی تھی۔ ایک دوسرے کو زیر کرنے کے لئے جنگ و جدل ہوتے تھے۔ ہر طرف بدامنی کا دور دورہ تھا۔ گویا کہ اپنی خودغرضیوں اور ناپاک سازشوں کی وجہ سے ملک کا شیرازہ درہم برہم ہو چکا تھا۔ اس تاریکی میں اس قوم کے یہ مایہ ناز سپوت ہی تھے، جنہوں نے ملک کی حفاظت اور اس کے وقار کو برقرار رکھنے کے لئے اپنی بیش بہا زندگیاں قربان کیں تھیں۔ ان لوگوں نے خونخوار بدیشی حملہ آوروں کا جونکہ ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا۔ لوگوں کے ننگ و ناموس کی حفاظت کی تھی اور ملک پر کسی بدیشی حملہ آوروں کے پاؤں ٹکنے نہیں دیئے تھے۔ ان کے کارہائے نمایاں اس بات کے ثبوت ہیں کہ ان کی بہادری اور دلیری کی داد دیتے ہوئے لوگوں نے انہیں پرتیہار کا لقب عطا کیا تھا۔ ملک کی حفاظت انہوں نے سپہ سالار کے طور پر پوری طرح چوکسی سے پہرہ دے کر کی تھی۔ اس لئے ان کو پرتیہار کہا جاتا تھا۔ یہ باعزت لقب صرف ان کے لئے ہی مخصوص کیا گیا تھا، جنہوں نے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کی تھی۔ اس وقت اور کوئی بھی ملک کو دشمن سے بچانے کی تاب نہ لا سکا تھا۔

پانچویں صدی عیسوی کے درمیان جیسے جنرل کننگھم نے اپنی رپورٹ میں واضح کیا ہے۔ مغربی راجپوتانہ میں ان کی ایک حکومت تھی۔ نویں صدی

RekhtaDownload.com

عیسوی میں راجپوتانہ کے شمالی اور درمیانی علاقہ میں اِن کا تسلط تھا۔ وہاں کے لوگوں نے حملہ کر کے گوجروں کو گجرات کی طرف دھکیل دیا۔ اِس علاقے کو گجراترہ کہا جاتا تھا۔ گویا کہ یہ سب علاقہ اِن کی بادشاہت، کے اثر و رسوخ کی وجہ سے اِن کے نام سے موسوم ہونے لگا۔ جو واقعیات تواریخ سے ظاہر ہوتے ہیں۔ سولنکی حکومت میں بھی اِن کا تسلط تھا۔ لامثال قربانی کے ساتھ پوری طرح پہرہ دیکر اِن کی سرحدوں کی حفاظت کی تھی۔ اِس لئے اِس سلطنت کو گجرات کہا جاتا تھا۔ تاملی نے اپنے اِتہاس میں کُشان راجاؤں کا ذکر کیا ہے۔ پنجاب کا شہر ملتان جسے پہلے کتیہ پور کہا جاتا تھا' اِنہی لوگوں کا بسایا ہوا تھا۔ دو سو برس بعد سفید ہیونوں کا حملہ ہوا۔ یوچی راجہ کو ان سے مقابلہ کرنے کے لئے مغرب کی طرف جانا پڑا۔ اِس نے اپنے لڑکے کو ایک صوبے کا گورنر مقرر کیا۔ جس کا دارالخلافہ پشاور تھا۔ تب سے کابل کے یوچی۔ بڑے یوچی اور پنجاب کے یوچی' چھوٹے یوچی کہلانے لگے۔ دس برس بعد گوجر لوگ سندھ دریا کے راستے جنوب کی طرف جانے لگے اور ہیونوں کے دوسرے حملہ کے بعد اپنے بھائیوں سے الگ ہو گئے۔ کشمیر کی مشہور تصنیف راج ترنگنی میں کشمیر کے راجہ شنکر ورمن کے گوجر راجہ الکھان کے ساتھ ایک لڑائی کا ذکر ملتا ہے۔ یہ جنگ ان کے مابین ۸۹۵ء میں ہوا تھا۔ اِس وقت اِس کی حکومت گجرات اور راولپنڈی کے علاقوں پر تھی، جنہوں نے کشمیر کے راجہ کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے اپنی

قربانی دی تھی ۔ مگر اس کے خواب پورے نہ ہو سکے ۔ جب محمود غزنوی کے لگاتار حملوں سے ملک کمزور ہونا شروع ہوا' تو ترلوچن پال' جو اس وقت دہلی کا تاجدار حکمران تھا' نے ملک کی حفاظت کے نام پر کشمیر کے راجہ سنگرام راجہ کو مدد کرنے کی درخواست کی ۔ اس وقت گوجر قوم سے تعلق رکھنے والا تونگ ہی تھا' جو اس کی فوج کا سپہ سالار تھا ۔ جس نے اس کے برق رفتار حملوں کا مقابلہ کیا تھا ۔ اور اسے بُری طرح شکست کا سامنا کرنا پڑا تھا ۔ اس بہادر گوجر جرنیل نے اپنی بہادری اور جوہر سے اس طرح ملک کی حفاظت کی کہ اسے پھر دوبارہ ہندوستان پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کی ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس لڑائی میں راجہ ترلوچن پال کی حکومت پامال ہو گئی تھی ۔ مگر راجہ سنگرام راج نے اس کا اخلاق بلند رکھا اور حوصلہ بنائے رکھا ۔ اس نے اس کی پوری مدد کی اور اپنی حکومت میں سے لوہر کوٹ (پونچھ' کشمیر کا علاقہ) کا اسے حکمران بنا دیا ۔ اس نے وہاں قلع لوہر کوٹ میں گوجروں کو اکٹھا کر کے ایک مضبوط فوج کو منظم کیا ۔ تاکہ ہر وقت دشمن کا مقابلہ کیا جا سکے ۔

محمود غزنوی کو یہ بات پسند نہ آئی چونکہ اپنی شکست کی وجہ سے اُسے سخت ذلالت کا سامنا کرنا پڑا تھا ۔ اُس نے اپنی بے عزتی کا داغ صاف کرنے کے لئے راجہ سنگرام راج سے بدلہ لینے کا پروگرام بنایا ۔ چونکہ اس شکست سے اس کا وقار ملک سے ختم ہو چکا تھا ۔ اس کی فوج کے حوصلے بھی پست ہو چکے تھے ۔ مگر شکست خوردہ جواری کی طرح اپنی فتح

کی ہوس کو پورا کرنے کے لئے اس نے اپنے لام لشکر کے ساتھ حملہ کرنے کے لئے کشمیر کی طرف رُخ کیا۔ یہ آندھی کی رفتار سے پنجاب کو روندھتا ہوا سیالکوٹ سے ہوکر میرپور اور بھمبر سے ہوتا ہوا نوشہرہ میں ڈیرہ جمایا۔ اس پڑاؤ سے اُس نے آگے جانے کی تیاری شروع کی۔ یہ وہی راستہ ہے، جسے آج کل مغل روڈ کہا جاتا ہے۔ یہاں جب وہ علاقہ راجوری (کشمیر) کی طرف گامزن ہوا اور پونچھ کے علاقہ وادی لورن میں اپنی بے شمار فوج کے ساتھ چھاونی ڈالی، تو اسے یہ احساس ہونے لگا کہ جب میدانوں سے دُور دراز پہاڑوں کے دامن میں پونہچنے تک اس کی پیش قدمی کو کوئی روک نہ سکا۔ تو منزل مقصود تک پونہچنے کا باقی سفر بھی بنا کسی روکاوٹ اور پیش بندی کے پورا ہو جائیگا۔ اور راجہ سنگرام راج کو سبق آموز شکست دیتا ہوا شاہانہ ٹھاٹھ سے فاتح ہوکر ملک میں شادیانے بجاتا اپنے وقار کو بحال کرے گا۔ مگر محمود غزنوی اپنی یہ ہوس تا زندگی پوری نہ کر سکا۔ بلکہ بجائے اس کے کہ وہ بے روک ٹوک آگے بڑھتا گیا یہاں بہت ہی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ ان کی فوجوں کے ساتھ بہت ڈٹ کر مقابلہ ہوا۔ تاریخ کے اس واقع سے آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ اس وقت جن لوگوں نے ان سے لوہا لیا تھا، وہ گیگی فرقہ کے گوجر تھے، جنہوں نے ان کے تابڑ توڑ حملوں کا اپنی زندگیوں کو ہتھیلی پر رکھ کر پوری جانبازی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اُنہوں نے شمع پر قربان ہونے والے پروانوں

کی طرح شہید ہو کر اُس کی فوج کو چھکے چھڑا دیئے۔ اور انہیں ایک اِنچ بھی آگے نہ بڑھنے دیا۔ وہ جگہ جہاں ملک کی حفاظت کے لئے اِنہوں نے اپنا خون دیا تھا۔ وہ ان کی جامِ شہادت کی وجہ سے ان کی ذات گیگیاں گاؤں کے نام سے مشہور ہوا۔ آج بھی وہاں قلعے لوہر کوٹ (کشمیر کے پونچھ) کے کھنڈرات موجود ہیں' جو لرزہ خیز لامثال قربانی کی داستان خاموشی سے سُنا رہا ہے۔ اُس بہادری کے آگے آج بھی سرِ تسلیم خم ہوتا ہے۔ محمود غزنوی یہاں دو بار حملہ آور ہوا اور اِن دونوں لڑائیوں میں اسے بہت بُری طرح شکست ہوئی۔ ان کی سب اُمیدیں خاک میں مِل گئیں۔ اِس کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ اِن بہادر گیگی گوجروں نے ان کی امیدوں کو اپنے جوہر سے خاکستر کر کے رکھ دیا۔ آخر اُسے ذلیل اور رسوا ہونے کے بعد یہاں سے پسپا ہونا پڑا۔ پھر اُسے دوبارہ کشمیر کی طرف رُخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

جب ہم تاریخ مغلیہ کا مُطالعہ کرتے ہیں' تو معلوم ہوتا ہے کہ جو بیرونی حملہ آور درہ خیبر کے رستہ ملک میں وارد ہوئے' جس کا سلسلہ سبکتگین کے حملوں سے شروع ہوا تھا۔ ان کی روک تھام کے لئے جس قوم نے ملک کی حفاظت کی تھی اور جنہوں نے بھوکے ننگے رہ کر ملک کی سرحدوں کی حفاظت کی تھی' وہ گوجر ہی تھے۔ گویا کہ محمود غزنوی سے لیکر شہنشاہ اکبر کے زمانے تک ان حُب الوطن گوجروں

نے ان کے وحشیانہ لگاتار حملوں کی آمریت کو برداشت کیا۔ اِن کا مقابلہ اپنی بربادیوں کی قیمت پر کیا۔ تدریجاً لگاتار جنگ و جدل کی وجہ سے ان کی طاقت میں کچھ کمزوری رونما ہونے لگی۔ مہارانہ پرتاپ کی اکبر کے ساتھ ہونے والے جنگ میں باگڑی گوجروں نے اپنی بہادری کے جو لامثال جوہر دکھائے، وہ بھی قابلِ آفرین ہے۔ حوصلہ افزا نتائج حاصل نہ ہونے کے باوجود بھی وہ پیچھے کی طرف نہیں گئے، بلکہ وہ اپنے ملک سے دُور جنگلوں اور پہاڑوں کی طرف جاکر رہنے لگے۔ آج جو باگڑی گوجر ریاست جموں و کشمیر میں ہیں، وہ اِن کی اولاد میں سے ہی ہیں۔ اِسی طرح واقعیات جہانگیری میں ذکر آیا ہے کہ شہنشاہ اکبر نے کشمیر کو جاتے وقت ان کے لئے قلعہ بنایا تھا۔ اس کی تعمیر میں ایک لاکھ پچیس ہزار روپے گجرات کو بنانے کے لئے گوجروں نے دیئے تھے۔ لہذا وہ جگہ گجرات کے نام سے مشہور ہوئی اور اُسے گجرات کہا جانے لگا۔ یہ قلعہ جموں کے راجہ اللہ خان نے اکبر کے لئے تعمیر کر دیا تھا۔ گجرات۔ گوجر خان۔ یہ سب علاقے جو اب پاکستان میں ہیں۔ گوجروں کے کارہائے نمایاں کی وجہ سے ہی مشہور ہوئے تھے۔ اِس وقت کی اُن کی آبادی کے بارے جنرل کنگھم نے بتایا ہے کہ گوجر لوگ شمالی ہندوستان کے سندھ اور گنگا کے درمیانی حصوں اور ہزارہ کی پہاڑیوں سے گجرات کے علاقہ میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان علاقوں میں ان کی آبادی ہے۔ جگہ جگہ کے پاس دریائے جمنا کے کنارے اور بزرگ ارنپور

کے ضلعوں میں ان کی اچھی خاصی آبادی ہے۔ اس کے علاوہ بندھیل کھنڈ میں سمرتھر کی ریاست گوجروں کی ہے۔ گوالیار ریاست میں بھی ایک ضلع ہے، جو گوجر گڑھ کہلاتا ہے۔ ریواڑی کے راجہ بھی گوجر تھے۔ بلوچستان کے گوجر گڑھ۔ مردان کے گوجرہ، جہلم کے موڑا گوجرا اور گوجر پور کے علاقے ان کی خوبیوں اور قربانیوں کی شہادت ہے۔ اسی طرح شیخوپورہ کے قلعہ گوجر سنگھ اور لاہور کے قلعہ گوجر سنگھ کے علاقوں کی داستانیں ان کی قدیم روایات کے ساتھ منسلک ہیں۔ اٹھارویں صدی میں سہارنپور کو گجرات کہا جاتا تھا۔ گویا کہ یہ لوگ ہمالیہ کے دامن اور جنگلوں سے لے کر گنگا و جمنا کے میدانوں سے آگے راجپوتانہ۔ مدھیہ پردیش کے علاقوں سے گذر کر مغرب میں مہاراشٹر اور جنوب کے علاقوں تک آباد ہیں۔

جب گوجروں کے کارہائے نمایاں کا ذکر آتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ پہلی 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کے خلاف انہوں نے ہی بگل بجایا تھا۔ وہ گوجر ہی تھے جنہوں نے دیش بھگتی کی خاطر اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر ملک میں انگریزوں کے خلاف انقلاب پیدا کیا تھا۔ جس وجہ سے انگریز حکومت ان سے بدلہ لینے کے لئے مدت موقع کی تلاش میں رہے۔ ان کی حب الوطنی دیکھ کر انگریزوں نے سمجھ لیا کہ جب تک ان کی طاقت کو کمزور نہ کیا گیا تب تک وہ اپنی حکومت کو مضبوط نہ بنا سکینگے۔ اپنے راستے سے انہیں ہٹانے کے لئے

انہوں نے گوجروں کو اپنی آمریت کا شکار بنایا۔ اور ان پر طرح طرح کے ظلم کرنا شروع کئے۔ اِسی طرح مہاراجہ رنجیت سنگھ حکمران پنجاب اپنے اگل بگل کے علاقوں کو مغلوب کر کے جب اپنی سرحدوں کو بڑھانے میں مصروف تھا۔ وہ جس طرف بھی پیش قدمی کرتا تھا' وہ علاقہ فتح کرتا گیا۔ اور اِسے اس کا باجگذار بن کر رہنا پڑا۔ اور سکھ حکومت کی اطاعت قبول کرنا پڑتی۔ یہاں تک کہ اس کے اقبال عروج سے انگریز بھی اِس سے خم کھاتے تھے۔ وہ ان کے علاقوں میں کسی بہانہ سے بھی دخل اندازی کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔ اِس عروج میں جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اپنے لشکر کے ساتھ کشمیر کو فتح کرنے اور اِسے اپنی عملداری میں شامل کرنے کے لئے اس طرف اپنا رُخ کیا' تو اس وقت وزیر روح اللہ سانگو گوجر ہی تھا جس نے اس کے یکے بعد دیگرے تین بڑے حملوں کا مقابلہ کر کے اسے بُری طرح شکست دی تھی اور اِس شکست و لاانتہا بربادی سے پھر اِس نے کشمیر کی طرف رُخ کرنے کی جرأت نہیں کی۔ وزیر سانگو گوجر نے پوری چوکسی کے ساتھ اپنی سرحدوں کی حفاظت کی۔ اِن کے دوران حکومت اپنی روایات کے مطابق دیش بھگتی کے لئے گوجروں نے ہر قربانی دے کر ملک کی حفاظت کی۔ جن کے کارنامے آج کی نسل کے لئے سبق آموز ہیں۔ اِن کی دیش بھگتی اور بہادرانہ کارناموں کو مدنظر رکھتے ہوئے مہاراجہ زنبیر سنگھ والیٔ جموں وکشمیر اور راجہ موتی سنگھ والیٔ پونچھ نے اپنے عہد حکومت میں گوجروں کو اہم درجہ

RekhtaDownload.com

عطا کیا تھا ۔ اِن کو راج دَربار میں پوری طرح سے دَخل حاصل تھا۔ وہ حکومت کے خاص ذمادار تھے ۔ مہاراجہ نے ان پر پوری طرح سے بھروسہ کرکے ان کو اپنی حکومت میں کلیدی عہدوں پر مامور کیا تھا جس سے انہیں خاص عزت حاصل تھی ۔ راجہ بند لوسنگھ والئے پونچھ کے زمانہ میں بھی ان کو راج دربار میں خاص دَرجہ مراعات حاصل تھیں۔

آزادی کی لڑائی میں جب کانگریس نے انگریزوں کے خلاف بگل بجایا، تو گوجر قوم نے اپنی روایات کو قائم رکھا ۔ اُنہوں نے ملک کی اس آزادی کی لڑائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور پیش پیش رہے۔ چوہدری غلام حسین لسانوی جو پونچھ (کشمیر) کے تھے، اپنی قوم میں بیداری پیدا کرکے اس آزادی کی جنگ میں شانہ بشانہ آگے بڑھے ۔ کئی بار جیل جاکر انگریزوں کی اذیت کو برداشت کیا ۔ جو بعد ازاں گوجر گاندھی کے نام سے مشہور ہوئے ۔

ملک کی حُب الوطنی کا جذبہ جو ان کے بزرگوں میں تھا، وہ ان کے خون میں اَب بھی سرایت کرتا ہے ۔ جس کے ثبوت زمانہ حال میں وقتاً فوقتاً ہمیں ملتے رہتے ہیں ۔ ہم نے دیکھا کہ جب ملک انگریزوں کی غلامی سے آزاد ہوا ۔ اس وقت پاکستان نے کشمیر کو ہڑپنے کے لئے وحشیانہ حملہ کیا ۔ ریاست کے لوگوں کو اپنے عتاب کا نشانہ بنایا ۔ اس وقت قبائلی لٹیرے جب طوفان کی طرح آگے بڑھ رہے تھے، تو "زونی گوجری" ہی تھی، جس نے اپنے علاقے کی عورتوں کو اکٹھا کرکے ایک چھوٹی سی

فوج منظم کر کے قبائیلی لٹیروں سے اپنی سرحدوں کی حفاظت کی تھی۔ اس بہادر عورت نے ایک ہاتھ میں بندوق لے کر اِن حملہ آوروں کو خوف زدہ کیا تھا اور دوسرے ہاتھ میں ڈنڈا لیکر جنگلوں میں مال مویشی چرائی تھی۔ اِس نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ کئی دِن اور کئی رات برفانی ہوا اس اور جنگلوں میں صرف ایک ایک کمبل میں بسر کیں۔ اسی طرح اس زونی گجری نے اپنے علاقہ کے بچوں اور عورتوں کے ننگ و ناموس کی حفاظت کی۔ اسی نقشِ قدم پر بابا نظام الدین لاروی نے اپنی سرحدوں کی حفاظت کے لئے ایک بہت بڑی گوجر گھوڑ سوار فوج تیار کر کے قبائلی حملہ آوروں کا مقابلہ کیا تھا۔

اِن کی حبُ الوطنی کا سلسلہ لگاتار زمانہ قدیم سے چلتا آ رہا ہے۔ 1965ء میں جب پاکستان نے ہندوستان پر دوبارہ غاصبانہ حملہ کیا تھا، خاص کر ریاست جمُوں و کشمیر کو اپنے حملے کا شکار بنایا۔ اپنے حملے کو کامیاب بنانے کے لئے اس نے اپنی خفیہ فوج سفید کپڑوں میں ریاست میں جگہ جگہ داخل کی۔ تاکہ توڑ پھوڑ کر کے سرکار کے نظم و نسق کو درہم برہم کر سکیں۔ اس وقت پونچھ (کشمیر) ضلع کے مینڈھر کا رہنے والا چوہدری محمد دین گوجر ہی تھا، جس نے سب سے پہلے پولیس آفیسروں کو پاکستانی قبائیلوں کے گھسنے کی اطلاع دی تھی۔ بروقتِ اطلاع دے کر ملک کو ایک بڑی تباہی سے بچایا اور حملہ آور لٹیروں کو پیچھے دھکیلنے میں مدد دی۔ اس صلہ میں حکومت ہند نے اسے مہاویر

چکر عطا کر کے اِسکی حوصلہ افزائی کی۔ سارے ملک میں یہ ہی صرف گوجر تھا جس کو یہ اعزاز حاصل کرنے کا فخر حاصل ہوا تھا۔ اِس کے علاوہ سرینگر ضلع کے گلمرگ کے رہنے والے چوہدری محمد دین جو گوجر قوم سے تھا، نے بھی پاکستانی گھس پیٹھوں کے بارے سرکاری آفیسروں کو اطلاع دی تھی۔ ان لٹیروں نے چوہدری صاحب کو بہت لالچ دیا۔ مگر آفرین ہے کہ وہ کسی لالچ میں گمراہ نہیں ہوا۔ اس کی ملک کو بروقت دشمنوں سے بچانے کی ذمہ داری دیکھ کر بھارت سرکار نے انہیں پدم شری کے خطاب سے نوازا گیا تھا۔ چوہدری غلام الدین بھی گوجر ہی تھا جس نے اپنی ماتر بھومی کی سرحدوں کی حفاظت کے لئے جو بہادرانہ جوہر دکھائے تھے۔ اس کے جوہر سے متاثر ہو کر ہند سرکار نے انہیں اشوک چکر کے خطاب سے حوصلہ افزائی کی تھی۔ چوہدری نذیر محمد جو ضلع راجوری (کشمیر) کے گلہوتی گاؤں کا رہنے والا تھا، بھی گوجر قوم سے تعلق رکھتا تھا جس نے سب سے پہلے اپنے علاقہ میں گھس پیٹھیوں کے داخل ہونے کی اطلاع دے کر اپنی ذمہ داری کا ثبوت دیا تھا۔ اس کے علاوہ اس واقعہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ایک ہیلی کاپٹر میں اچانک خرابی پیدا ہو... کی وجہ سے جب اسے ایک پہاڑی پر مجبوراً اترنا پڑا، تو اس ... سیکورٹی فورس کے افسران کو شدید چوٹیں آئیں۔ اس وقت یہ گوجر ہی تھے، جنہوں نے ان بھارتیہ فوجی افسروں کی قیمتی زندگیوں کی حفاظت کی۔ کئی میل جنگل

RekhtaDownload.com

دی پہاڑوں کا سفر طے کر کے اپنے کندھوں پر ان آفیسروں کو اُٹھا کر اِن کو منزل مقصود تک پہنچایا۔ اِسی طرح مینڈھر کے علاقہ میں گوجر نوجوانوں اور عورتوں نے چوہدری عبدالغنی سکنہ چھیلہ کی رہنمائی میں ہندوستانی فوج کو بہت امداد بہم پہنچائی۔ اِن سے بدلہ لینے کے لئے پاکستان نے اِن کا سر کاٹ کر لانے والے کو اچھا خاصا انعام دینے کا اعلان کیا تھا۔ اِس کے علاوہ ضلع پونچھ کے چوہدری وزیر محمد ہکارہ سکنہ بانڈی چیچیاں کا نام بھی قابل ذکر ہے، جہاں کئی شہید ہوئے۔ ان کی حُب الوطنی کی داستانیں اب بھی مقامی لوگوں کی زبانی سُنی جاتی ہیں جو لوگوں کو ازبر ہو چکی ہیں۔ وہ خوشی اور فخر سے اپنے بزرگوں کی حب الوطنی کی داستانیں اپنے بچوں کو سُناتے ہیں۔

اِس کے بعد پاکستان نے ۱۹۷۱ء میں ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ اِس حملہ میں بھی کشمیر کو اس ملک نے خاص نشانہ بنایا۔ ریاست جموں و کشمیر کا نظم و نسق درہم برہم کرنے کی پاکستانی حملہ آوروں نے بہت کوشش کی۔ مگر گوجر قوم پر آفرین ہے کہ جس نے اپنی جان کی بازی لگا کر بھی اپنی سرحدوں کی حفاظت کی۔ اپنے بزرگوں کی پرانی روایات کو قائم رکھا۔ پورے پہرہ دار بن کر علاقے کی حفاظت کی اور دشمن کی فوج کو اپنے علاقے میں گھسنے نہ دیا۔ اِس سلسلہ میں "مالی گوجری" نے اپنی بہادری کے وہ جوہر دکھائے جس طرح مہارانی دُرگا وتی نے اکبر کے دانت کھٹے کئے تھے۔ اِس

طرح "مالی گوجری" نے اپنے دلیرانہ جوہر سے رانی دُرگا وتی کے کارہائے نمایاں کو دُوبارہ زندہ رکھا۔ اس کے علاوہ اور بھی کئی گوجر تھے، جیسے کہ حاجی قاسم کھاری۔ چوہدری عبدالطیف۔ چوہدری سلیمان وغیرہ جن کے کارہائے نمایاں اور حب الوطنی کے جوہر تاقیامت لوگوں کی زبان پر رہینگے جس پر آج ساری قوم و ملک کو فخر ہے۔ اس طرح اپنی قربانیوں سے گوجر قوم نے ملک کو تحفظ دیا۔

—— ⁘ ——

RekhtaDownload.com

(III) لامثال اخلاق

ہم نے گوجروں کی حب الوطنی کے لامثال کارناموں کو تواریخی بنیاد پر ثابت کر اصلیت کو افشاں کیا ہے تاکہ تاریخ کے طالب علم اپنی معلومات میں اضافہ کرسکیں۔

تاریخی واقعیات کے یکے بعد دیگرے اوراق پلٹ کر طشت از بام کیا ہے کہ مغلیہ دور میں مغل بادشاہ جب ملک کی اکائی کو پارہ پارہ کرنے کی جدوجہد میں مشغول تھے اور اپنے برق رفتار حملوں سے اس ملک کے نظم و نسق کو درہم برہم کر رہے تھے۔ جب لوگوں کی عزت اور جان و مال خطرے میں تھا۔ ان کے حملوں سے جب ملک کی طاقت کمزور ہو رہی تھی، تو ان کے حملوں کا مقابلہ جن لوگوں نے کیا اور جنہوں نے ملک کی حفاظت کی؛ وہ گوجر ہی تھے۔ جنہوں نے ملک اور لوگوں کے ننگ و ناموس کی حفاظت کی تھی۔ بیرونی حملوں کا اپنی چھاتی تان کر مقابلہ کیا اور دیوانہ وار ملک کی خاطر شہید ہوئے۔ انہیں ایک انچ بھی آگے نہ بڑھنے دیا اور ان کے خوابوں کو شرمندہ تعبیر نہ ہونے دیا۔ اگر گوجر بدیشی ہوتے یا غیر ملکی نسل سے ہوتے یا باہر کے کسی دوسرے ملک سے آکر یہاں آباد ہونے والے ہوتے تو ملک سے ان کو اسقدر پیار نہ ہوتا اور نہ ہی ملک کی حفاظت کے لئے وہ بڑھ چڑھ کر شہید ہوتے۔ برعکس اس کے وہ ملک کی

حفاظت کے لئے مُغل بادشاہوں کے حملوں کا دلیوانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہوئے، جن پر آج پورے راشٹر کو فخر ہے۔ ملک کی تاریخ بدلنے میں انہوں نے جو اہم رول ادا کیا ہے۔ اگر وہ اس سے کوتاہی کرتے، تو آج ملک کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی۔ بلکہ ہمارا وجود ہی نہ ہوتا۔ یہ صرف ان کی قربانیوں کا ہی نتیجہ ہے کہ آج ہم نے اپنی روایتوں۔ رسم و رواج اور تہذیب و تمدن کو برقرار رکھا ہوا ہے۔

مگر دوسری طرف ان مغل بادشاہوں نے جو ان کے ہاتھوں شکست کھاکر ذلیل و رسوا ہوئے، جنہیں پسپا ہونا پڑا۔ جنہوں نے ان کے جاہ و جلال اور شاہی رعب داب کو چیلنج کیا۔ ان لوگوں کو بدلے کی ذہنیت سے بدنام کرنا شروع کیا۔ اور انہیں حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ انہیں حقیر و غیر تہذیب یافتہ چور و ڈاکو کے مخلص سے مخاطب کرنے لگے۔ خاص کر اکبر، بلبن اور شیر شاہ بادشاہوں نے ان کو بہت بدنام کیا۔ انہیں کئی بدنام کہاوتوں اور ناموں سے موسوم کیا۔ مسٹر ڈھوسن نے اس ضمن میں کچھ روشنی ڈالی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ مغلیہ خاندان کے بانی بابر نے اپنی کتاب "تزک بابری" میں بیان کیا ہے کہ کس طرح اس کے کمانڈر نے دشمن کی فوج کا پیچھا کرنے والے کچھ بدمعاش گوجروں کو حراست میں لیا اور انہیں گولی سے اڑا دیا گیا۔ ان کے سر کاٹ کر

شہنشاہ کے روبرو پیش کئے۔ بابر نے آگے لکھا ہے کہ جب جب وہ اس ملک میں داخل ہوا، تب تب ان جاٹوں اور گوجروں نے اُس کا متواتر مقابلہ کیا۔ وہ جنگلوں اور پہاڑوں سے نکل کر بے شمار اُمڈتے ہوئے انسانی سمندر کی مانند مقابلہ کے لئے سامنے آجاتے ہیں اور پیش قدمی کو روکتے ہیں۔ نیز لوٹ مار کر بیل اور بھینس لے جاتے ہیں۔ وہ بہت ہی خطرناک اور عادی مجرم ہیں۔ انہوں نے ملک کو برباد کیا ہے۔ انہی لوگوں کی وجہ سے اسے بہت نقصان پہنچا ہے۔ جب بابر نے قلعہ پرچالہ پر حملہ کیا، تو گکھڑ سے اس کے ہاتھی کا مقابلہ ہوا، جس کی رہنمائی سرویا نام کے گوجر نے کی تھی۔ اور اسے پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اسی مصنف نے اپنی کتاب میں آگے لکھا کہ شیر شاہ جب دہلی کی قلعہ بندی کر رہا تھا، تو اس وقت بالی اور پاکھل کے گوجروں نے خاص طور سے اس کا مقابلہ کیا۔ اس لڑائی میں شیر شاہ کے دم خم کو کافی دھکا لگا اور وہ آگے بڑھ نہ سکا۔ بلبن کے حملہ کو گوجروں نے ہی روکا تھا۔ اور اسے بھی آگے بڑھنے نہیں دیا تھا۔ ان کی بہادری کی تاب نہ لا کر اور شکست خوردہ ہو کر اُسے حملہ کرنے کے اپنے مجوزہ پروگرام کو ملتوی کرنے کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ غرض ان کے حملوں سے مایوس ہو کر وہ واپس لوٹا۔

چونکہ مغلوں کو ان گوجروں کے ہاتھوں پامال ہونا پڑا، لہذا بدلہ لینے کی حسد میں ان کو کئی طرح کے غیر تہذیب یافتہ ناموں سے مخاطب کیا۔

RekhtaDownload.com

انہیں حقیر سمجھ کر ان دیش بھگت گوجروں کو چور۔ ڈاکو۔ لیٹرے کے ناموں سے موسوم کیا۔ انہیں عادی مجرم اور بدمعاشوں کی جماعت میں شمار کیا گیا تھا چونکہ یہ لوگ ان حملہ آوروں کے آلہ کار نہیں بنے تھے اور نہ ہی یہ لوگ کسی لالچ میں آئے۔ اپنے ایمان اور وفاداری کا سودا انہوں نے کسی لالچ سے نہیں کیا، بلکہ ملک کی حفاظت کے لئے وہ دلیرانہ وار شہید ہوئے۔ یہ ان کی قربانی ہی تھی کہ جب لوگ مغل بادشاہوں کے زور و جبر، ظلم و ستم کے عتاب کا نشانہ بنے۔ جب لوٹ مار اور قتل عام کا بازار گرم تھا، اس وقت یہ گوجر لوگ ہی تھے جنہوں نے اپنی قیمتی زندگیوں کی قیمت پر ملک کی حفاظت کی تھی۔ عورتوں و بچوں کے ننگ و ناموس کو بچانے کے لئے شہید ہوئے تھے۔ جن کی بیش بہا قربانیوں کی بنیاد پر آج ہمارا ملک باعزت کھڑا ہے۔

اسی طرح 1857ء میں انگریزوں کے خلاف جب گوجروں نے لوہا لیا تھا، جس کا ذکر اوپر آچکا ہے، تو انہیں بھی چھٹی کا دودھ یاد آیا تھا۔ ان کے مقابلہ سے وہ بہت پریشان ہوئے۔ وہ انہیں تنگ کرنے لگے اور انہیں اپنے عتاب کا نشانہ بنانے کے لئے وہ ہمیشہ تاک میں رہتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اگر اس دنیا میں کتا۔ بلی۔ گوجر اور رانگڑھ نہ ہوں، تو لوگ بے فکر ہوکر اپنی زندگی بسر کرتے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کے دل میں ان کے لئے کتنی نفرت تھی، کتنی حقارت

تھی کہ اِن بہادروں کو ان حقیر ناموں سے موسوم کیا گیا۔ ٹھیک ہے کہ یہ ان کے جذبات کی ترجمانی تھی، وہ اور تو کچھ نہیں کرسکتے تھے۔ اس طرح سے ہی اِن دیش بھگتوں کو بدنام کرنے لگے۔ انگریزوں نے یہاں تک اُن کے چلن پر الزام لگایا کہ گوجر اپنے دوست کو بھی دھوکا دیکر لوٹ لے گا۔ اور اس کے گھر کو برباد کردیگا۔ لہذا یہ بااعتبار لوگ نہیں ہیں۔ اُنہوں نے ان کے متعلق اپنی رائے قائم کرتے ہوئے لکھا کہ گوجر جہاں بھی ملے، اُسے اُسی وقت ہی کچل دینا چاہیئے تاکہ وہ اپنا سَر اُونچا نہ کرسکے۔ اِن حُب الوطنوں کے لئے انگریزوں کی یہ ذہنیت تھی۔

یہ سب کہاوتیں انگریزوں نے گوجروں کو بدنام کرنے کے لئے بنائی تھیں۔ جو سب حقیقت کے خلاف ہیں، جب کہ انہوں نے ملک کے بے خوف سپہ سالار بن کر اس کی حفاظت کی۔ اِن کا اخلاق لامثال ہے۔ آرین تہذیب و تمدن کی روایات کے مطابق یہ لوگ مہمان نواز ہیں۔ گھر آئے مہمانوں کا یہ لوگ پوری خوشنودی سے سواگت کرتے ہیں۔ ایشور کے وجود کو تسلیم کرنے والے ہیں اور خُدا سے خوف کھاتے ہیں۔ عورت کی عصمت کو بچانا اور اس کی حفاظت کرنا اپنا ایمان سمجھتے ہیں۔ بزرگوں کی عزت اور بچوں سے محبت کرنا اِن کے اخلاق کا بنیادی سلیقہ ہے۔ اِسی وجہ سے وہ اپنے لامثال اِخلاق کے مالک ہیں اور اسی لئے ملک کی

RekhtaDownload.com

تاریخ میں ان کو ایک خاص مقام حاصل ہے، جو آج کی نسل کے لئے سبق آموز ہے۔

---

(۱۷) گوت اور ذات

Rekhta Download.com

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی ایک قدیم قوم ہونے کے ناطے بہت سے معرکہ خیز واقعات جو گوجر قوم کی وجہ سے ظہور پذیر ہوئے وہ خوبیاں اس قوم کے نام سے موسوم ہو کر ان کی ذات کے طور پر مشہور ہوئی۔ اس طرح کئی شہر اور گاؤں جہاں انہوں نے دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنے پڑاؤ ڈالے۔ وہ شہر اور گاؤں ان کے نام سے مشہور ہوئے اور کئی ایک نے شہروں کے نام سے اپنی ذات کو اپنایا۔ ان میں کئی اپنے سرداروں کے نام سے مشہور ہوئے اور اس نام سے اپنی ذات کی بنیاد ڈالی۔ کسی نے اپنے گورو کے نام سے اپنی ذات بنائی۔ غرضیکہ روایات کے مطابق انہوں نے اپنے گوت اور ذات کو اپنایا۔ اگرچہ اس سلسلہ میں کوئی پرانا ریکارڈ مہیا نہیں ہے جس کی بنیاد پر پورے وثوق سے یہ کہا جا سکے کہ فلاں ذات کیوں اور کیسے

بنی - مگر کچھ معلومات روایاتی کہانیوں اور مراسیوں کے گیتوں سے اخذ کرنے سے جو فراہم ہو سکتی ہیں، اس کی بناء پر کچھ قلمبند کیا جا سکتا ہے - اسی بنیاد پر ناظرین کو واقفیت مہیا کی جاتی ہے -

بدیشی مغل بادشاہوں کے حملوں سے ملک کا اقتصادی ڈھانچہ بکھرنے لگا - اور سماجی نظام کی اکائی کمزور ہونے لگی - ان کے ظلم و ستم سے بچنے کے لئے کئی لوگ اپنے آبائی شہر و گاؤں چھوڑ کر دوسری جگہ چلے گئے اور کئی ان کے عتاب کا نشانہ بنے - انہیں اسلام مذہب قبول کرنے کے لئے مجبور کیا گیا - جس حکم کے زیر اثر لوگوں نے اسلام قبول کیا - ملک کے شمالی حصہ میں اسلام کا زور زیادہ رہا - حالات کی مجبوری کی وجہ سے اُتر پردیش - کشمیر - پنجاب اور ہماچل میں دوسرے لوگوں کے ساتھ گوجروں کو بھی اسلام قبول کرنا پڑا - اگرچہ ان کی پیدائیش اور اسلام مذہب قبول کرنے کی کئی روایتی کہانیاں اور لوک گیت سُننے کو ملتے ہیں - مگر باوثوق طور سے پورا ثبوت مہیا نہیں ہوتا - کہ کب، کہاں اور کیسے ان کی ذات اور گوت نمودار ہوئے - صرف تحقیق کی بنیاد پر ہی جو مُواد ملا - اسی بنیاد پر ہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے - چونکہ یہ سب ایک ہی نسل کے تھے - چنانچہ ان کے رسم و رواج - تہذیب و تمدن اور روایات بھی ایک جیسی تھیں - ان میں جن لوگوں کو مجبوراً اسلام قبول کرنا پڑا جو کہ سُنی مذہب سے تعلق رکھتے تھے - اسی لئے یہ سب سُنی مذہب سے تعلق رکھتے ہیں -

وہ اسلام دھرم کے پیروکار تو بن گئے مگر ورثہ میں حاصل ہوئی اپنی ذات کی خوبی اور روایات اپنے ساتھ لے گئے۔ مسلمان ہونے پر بھی اُنہوں نے اپنی ذات کو نہیں بدلا۔ یہی وجہ ہے کہ جو ذات۔ گوتر اور رواج ہندوؤں میں ہیں، وہی رواج۔ ذات اور گوتر گوجر مسلمانوں میں بھی ہیں۔

اِن میں بھٹی گوجر بہت مشہور ذات ہے۔ پُرانے زمانہ میں پرتھوی راج والے دہلی کے وقت کشتری راجپوت سردار اور تعلقہ دار تھے جن کی اپنے علاقوں میں سرداری تھی۔ اور مالگزاری وصول کیا کرتے تھے۔ وہ بھٹی ذات سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر حالات کی مجبوری کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک نے اسلام دھرم کو قبول کر کے مسلمان ہو گئے۔ مگر ان کی ذات وہی رہی اور اپنے آپ کو بھٹی کہلانے لگے۔ اپنے ماضی کے دلیرانہ دیش بھگتی کی کہانیاں ان بھٹی گوجروں۔ نے اپنے بزرگوں سے سُنی ہیں۔ پہلی نسل کے بزرگ اپنی دوسری نسل کے بچوں کو سناتے تھے۔ اس طرح وہ کہانیاں ایک کے بعد دوسری نسل میں جاہ گزیں ہوتی رہیں۔ انہوں نے بتایا کہ اس وقت بھٹی گوجروں کی گنجان آبادی دہلی کے نزدیک تھی جو کہ بڑے جاگیردار اور زمیندار تھے۔ وہ اپنے ملک کے ذمہ دار سپاہی تھے۔ ان کے بزرگوں نے ہی شہنشاہ اکبر کے برق رفتار حملوں کا اپنی چھاتی کھول کر مقابلہ کیا تھا۔ بڑی جدوجہد اور مقابلہ کے بعد انہیں اپنا دیش چھوڑ کر دوسری جگہ

24,239

مہاجرین بن کر جانا پڑا - جب انہوں نے اپنی آبائی جگہ سے ہجرت کی تو اس وقت ان کے تمام قافلے نے راہ ڈولہ اور راہ مجنون کی زیر قیادت جموں کشمیر راجیہ کی تحصیل رام بن کے پہاڑوں میں آکر اپنا پڑاؤ ڈالا - جہاں وہ سب سے پہلے آباد ہوئے . ہجرت کرنے والے گوجروں نے براستہ بسوہلی (جموں وکشمیر ریاست کی ضلع کٹھوعہ کی تحصیل) ریاست چمبہ (ہماچل کا ایک ضلع) کے منگلہ گاؤں میں اپنا ڈیرہ جمایا - انہوں نے اپنی حالت زار اور ظلم و تشدد کی کہانی چمبہ کے راجہ کو بتائی اور ریاست میں رہنے کی التجا کی - اس وقت ریاست چمبہ کا حکمران راجہ گوپال سنگھ تھا، جس نے ان کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کیا - اور انہیں پوری سہولیت مہیا کرنے کا یقین دلایا - ان کی امداد کرنے کے لئے راجہ نے ان مہاجرین کو کاشت کرنے کے لئے زمینیں عنایت کی - اس کے علاوہ ان کے پشوؤں کے لئے چراگاہیں بھی مہیا کیں . تاکہ انہیں اقتصادی پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے . راجہ نے ان مہاجرین گوجروں کو چڑیاں گاؤں بھی دیا - تاکہ وہ اپنی ضروریات کے مطابق اپنے مکان وغیرہ تعمیر کرکے آباد ہوسکیں - اب تک یہ گاؤں ان کے قبضہ میں ہے - چمبہ کا گاؤں ساہو روڈ پر واقع ہے - اس طرح اس راجہ نے ان کے اس مسلہ کی طرف خاص طور سے متوجہ ہوکر ان کی آبادکاری کا مسلہ حل کیا - تاریخ کا یہ واقع ان کے لئے قابل یادداشت ہے - اس طرح یہ گوجر اس کے بعد اپنی اپنی سہولیت کے مطابق اپنی دوسری و تیسری

نسل میں اور دوسرے علاقوں میں آباد ہوتے رہے۔ اب کئی علاقوں میں بھی گوجر آباد ہیں۔

چھالہ۔ برانہ۔ بجار۔ کسانہ۔ گوئی اور منیم

ان فرقوں کے گوجر راجپوت نسل سے ہیں۔ ان میں سے کئی ایک کھشتری ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ چھالہ گوت کے گوجر اپنے آپ کو راجہ سوم بن کی اولاد سے تصور کرتے ہیں۔ جن کے بزرگوں نے جالندھر کے کسی علاقہ میں ماضی کے کسی قدیم زمانہ میں اسلام مذہب کو اختیار کیا تھا۔ اور کسانہ گوت کے مسلمان کے گھر شادی کی تھی۔ جنہوں نے بعد میں گائے۔ بھینس چرانے وغیرہ کا پیشہ اختیار کیا۔ اور گوجر کہلانے لگے۔ اس طرح کسانہ گوجر اپنے آپ کو راجہ کنس کی اولاد سے خیال کرتے ہیں۔ اپنے اس وشواس کے ساتھ وہ اپنے بچوں کو معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ اس ذات کے گوجر اپنے آپ کو اصل گوجر تصور کرتے ہیں۔ جو اپنے آپ کو اڑھائی فرقوں پر مشتمل سمجھتے ہیں۔ یعنی کہ گوری۔ کسانہ اور آدھا حصہ برگٹ جو محکوم ماں کی اولاد میں سے ہیں۔ لیکن دہلی کے آس پاس یہ گوجر اپنے آپ کو ساڑھے تین فرقوں پر مشتمل سمجھتے ہیں۔ جو بیچی۔ لکاڑی اور آدھا حصہ کسانہ اور گوری فرقوں کی شمولیت سے بنا ہوا فرقہ تصور ہوتا ہے۔ لیکن گجرات میں آباد بیچی گوجروں کا خیال ہے کہ

RekhtaDownload.com

وہ کسانہ گوجروں کی اولاد میں سے ہیں۔ اِس طرح وہ گورسی، کسانہ اور کھٹانہ ذات والوں کو ہی اصلی گوجر تصور کرتے ہیں۔ اِسی کھٹانہ ذات کے گوجروں کا گجرات (کاٹھیاواڑ) میں کافی اقتدار رہا ہے۔

گورسی فرقہ کے گوجروں کے متعلق اور بھی بہت کہاوتیں ہیں، جو اِن کے بیاہ شادیوں کے وقت مراثیوں سے گاتے ہوئے سُنی جاتی ہیں۔ ایک دفعہ کا ذِکر ہے کہ سکندر بادشاہ کو پیاس لگی تھی۔ وہ اپنے دو وزیروں خواجہ پیر اور حیدر علی کے ساتھ آبِ حیات سے اپنی پیاس بجھانے گئے۔ مگر بدقسمتی سے بادشاہ کو نیند آگئی اور وہ سو گئے۔ وزیروں کو موقع غنیمت ہاتھ لگا اور اُنہوں نے آبِ حیات کو نوش کر اپنی پیاس کو شانت کیا۔ بادشاہ جب نیند سے بیدار ہوا اور اِسے سارے حالات کا علم ہوا۔ تو وہ بہت پریشان ہوا۔ اُس نے ایشور سے پرارتھنا کی۔ نتیجہ کے طور پر اس نے ایک خواب دیکھا۔ اِس میں اِسے آبِ حیات سے بھی زیادہ نایاب تحفہ عطا کرنے کے لئے کسی نے کہا کہ تم آبِ حیات بھول جاؤ گے۔ جب دودھ سے پیاس شانت کرو گے۔ بعد میں ہند مہاساگر سے ایک بھینس اور کھڑا نمودار ہوا۔ بادشاہ اس کا دودھ پینے کے بعد بہت خوش ہوا۔ جو ملازم اس کی دیکھ بھال کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔ اُسے گورسی کہا جانے لگا۔ گورسی کہلانے کی یہ کہانی اس ذات کے گوجروں سے سُنی جاتی ہے۔

اِس کے علاوہ اِس گورسی فرقہ کے گوجروں کے متعلق ایک

اور کہانی بھی ان سے سُنی جاتی ہے اُنہوں نے اپنے بزرگوں سے سُنی تھی کہ اس فرقہ کے نند پھر نام کے ایک سردار کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ ایک دفعہ مایوس ہو کر وہ پیر کے پاس گیا۔ اس نے اس کی خواہش پوری ہونے کی آشیرواد دی اور کہا کہ ایشور آپکے گھر لڑکا پیدا کریگا۔ پیر نے اسے دودھ بھیجنے کے لئے نصیحت دی۔ اس نے تین عورتوں کے ذریعہ پیر کو دودھ روانہ کیا۔ راستے میں پیر یاری والا سے ملاقات ہوئی۔ اس نے تین قطرے دودھ کے اس میں ڈالے اور انہیں واپس جانے کے لئے کہا۔ مگر واپس جانے کی بجائے کہ کہیں پیر ناراض نہ ہو جائے وہ اپنی جائے مقام پر ان کے پاس جانے کے لئے آگے بڑھیں۔ پیر نے دودھ کا معائنہ کیا۔ اس نے کہا کہ دودھ کو کسی نے ضرور چھوا ہے۔ اس نے ان مٹکوں میں دودھ کے کچھ قطرے ڈالے اور انہیں واپس جانے کے لئے حکم دیا۔ راستے میں اس دودھ میں سے ایک عورت نے آدھا دودھ لیا۔ تب سے اس کی اولاد کو گوری کہا جانے لگا۔ دوسری عورت نے آدھا دودھ اور آدھا پانی کی ملاوٹ سے دودھ لیا اور اس کی اولاد کو برگٹ کہا جانے لگا۔ تیسری عورت نے پانی دودھ میں ہر حصہ ملایا اور اس کی اولاد کسانہ کہلانے لگی۔ اس کے بعد پیر یاری والا کی آشیرواد سے گوری عورت کے ہاں ایک لڑکا اور سادھو کا ایک سانپ کی طرح بچہ بھی پیدا ہوئے۔ جب وہ دونوں بڑے ہوئے تو سادھو نے اس لڑکے کو کاٹنے کی ہدایت کی جب سانپ لڑکے کو کاٹنے کے لئے تیار ہوا تو اس نے اس سانپ کو مار ڈالا۔ یہی وجہ

رہی ہے کہ اس فرقہ کے لوگوں کو سانپ کاٹنے کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔

اسی طرح کسانہ گوجروں کے متعلق بھی ایک کہاوت ہے جو انہوں نے اپنے بزرگوں سے سنی ہے کہ ان کا ایک بزرگ راجستھان میں ایک بڑا جاگیردار تھا۔ جس کا نام کا سوسنگھ تھا۔ ایک دفعہ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اپنے محل کی طرف واپس آ رہا تھا۔ راستے میں نظیری نام کی ایک عورت سے اس کی ملاقات ہوئی۔ وہ ننذیر کے بھائی کی لڑکی تھی۔ وہ اپنے سر پر حسب معمول دودھ کا مٹکا اٹھائے چل رہی تھی بھینس کا رسہ اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا تھا۔ کاسوسنگھ نے اسے گائے بھینس کو راستہ سے ایک طرف کرنے کے لئے کہا۔ نظیری نے رسہ کو اپنے پاؤں کے نیچے دبا دیا جس کے ساتھ سات گائے بھینسیں بندھی ہوئی تھیں۔ اپنی مدانی کے ساتھ اس کے گھوڑے کو آگے کی طرف دھکیل دیا۔ اس کی جفاکش جسم کے شیڈول ہونے کی اپنے من ہی من میں تعریف کی کہ اس کے بچے کتنے طاقتور ہوں گے۔ اس کے اس نکتہ نگاہ سے اس عورت سے شادی کرنے کا انتظام کیا۔ اس نے اس شادی کے لیے اسلام مذہب کو قبول کیا۔ تب سے اس کی اولاد کسانہ کے نام سے مشہور ہوئی۔ اس فرقہ میں یہ عام کہاوت ہے کہ کاسو سے کسانہ۔ گویا کہ راجہ کاسوسنگھ سے کسانہ بنے۔

نیم گوت کے گوجروں کا اعتقاد ہے کہ وہ راجہ اندر رائے کی اولاد میں سے ہیں۔ بدانہ ذات کے گوجر راجہ پانڈو رائے سے اپنا تعلق سمجھتے ہیں۔ لہذا انہوں نے اپنے گوت، اپنے سرداروں اور راجاؤں کے نام سے موسوم کئے۔

پسوال

اس فرقہ کے گوجر اپنا تعلق واجب کابلی سے بتاتے ہیں جو کہ پیغمبر کا ساتھی تھا۔ اور جو کشمیر پر حملہ کے وقت یمن کے راجہ آہولا کے ساتھ آیا تھا۔ یہ گوجر سب سے پہلے سیالکوٹ (اب پاکستان) میں آباد ہوئے۔ بعد ازاں ضرورت کے مطابق یہ دوسرے علاقوں میں آباد ہونے کے لئے پھیلنے لگے۔ پنجاب میں ان کی آبادی کافی زیادہ ہے۔

چنوار گوجر

اس فرقہ کے گوجر اپنے آپ کو گوجر پامار کی اولاد سے کہتے ہیں۔ اس طرح جادو جو اپنے آپ کو چندر بنسی کہتے ہیں اپنا تعلق چھوکر سے بتاتے ہیں۔ جنجوا گوجروں کا خیال ہے کہ وہ بڑا نام کے ایک تعلقدار کی نسل سے ہیں۔ ان کا ایک بزرگ ننگے پاؤں پوجا کے لئے ملتان سے دریا کا پانی لایا کرتا تھا۔ ایک دن پیر نے اس کی کرامات دیکھیں اور حاجت سے اسے بڑا کہنے لگا۔ تب سے یہ فرقہ بڑا ذات کے نام سے مشہور ہوا۔ کھوکر چندر بنسی اپنے آپ کو راول راجہ کے خاندان سے تصور کرتے ہیں۔

منہاس ذات کے گوجر ڈھینڈا سردار کی اولاد سے اپنے آپ کو کہتے ہیں۔

کٹاریہ ۔ مکلا اور سرجو

اس ذات کے گوجروں کے متعلق عام مثل مشہور ہے۔ جیسے

کہ یہ لوگ اپنے بزرگوں سے سُنی ہوئی کہانیوں کی بنیاد پر بتاتے ہیں کہ وہ کسی سردار راجپوت کی اولاد سے ہیں۔ کھٹانہ ذات کے گوجروں نے کشمیر کی پونچھ وادی میں بہت عرصہ تک حکومت کی تھی۔ ملک کی تقسیم ہونے تک ان کے بزرگوں کی اس علاقے میں جاگیر تھی۔ پُرانے وقتوں میں ان کا اس علاقہ میں ایک مضبوط تسلط تھا۔

بڑھیار

اِس فرقہ کے گوجر اپنے آپ کو راجہ کرن کی اولاد سے تصور کرتے ہیں۔ اِس نسل کے راجہ دہل کے جو بچہ پیدا ہوتا تھا۔ اِس کی کسی نہ کسی وجہ موت ہو جاتی تھی۔ پھر کسی نے اِسے صلاح دی کہ اب جو بچہ پیدا ہوگا، اِسے مادہ بھگیاڑ کا دودھ دیا جائے۔ اس سے وہ زندہ رہے گا۔ تب سے ان کا تخلص بڑھیار کے نام سے مشہور ہوا۔

گبجگاہی

اس فرقہ کے گوجر اپنے بزرگوں سے سُنی ہوئی باتوں کی بنیاد پر مانتے ہیں کہ ان کا ایک بزرگ دلی کھٹانہ ذات سے تھا، جو ہاتھی دانت کا زیور چاندی میں لگاکر پہنتا تھا۔ اس نام سے یعنی کہ گبجگاہی گوجر کہلانے لگے۔

کھٹانہ

اس فرقہ کے گوجر بزرگوں نے جو کہانیاں بتائی ہیں۔ اس کے اعتبار سے وہ بتاتے ہیں کہ ایک دن راجہ بھانس کے مور اور موہنگ نام کے دو لڑکے جب شام کے وقت شکار سے واپس آئے تو انہوں نے کھٹ یعنی بسترے پر بھوجن کیا تھا۔ اس وقت بسترے پر کھانا اچھا نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس وجہ سے براہمنوں نے ان کو اپنی برادری سے اس الزام کے ساتھ خارج کیا کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ انہوں نے مایوس ہوکر اسلام کو قبول کیا۔ بستر پر کھانا کھانے کی وجہ سے وہ کھٹانہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

اس کے علاوہ ان کے متعلق ایک اور بھی کہانی ہے جس کے مطابق وہ اپنے آپ کو راجہ جے پال کی اولاد سے خیال کرتے ہیں، جس کی حکومت تھانیسر سے جہلم تک تھی۔ جب سلطان محمد سبکتگین نے 1036ء میں ہندوستان پر حملہ کیا تھا، اس وقت راجہ جے پال نے اٹک کے مقام پر اس کا مقابلہ کیا تھا۔ مگر وہ اپنے حملہ میں کامیاب نہ ہو سکا اور اسے شکست ہوئی۔ اس کے لڑکے اننت پال نے دو سال تک لاہور کو صدر مقام بنا کر حکومت کی۔ بعد میں بیرونی حملوں کی تاب نہ لا کر وہ اپنے کھٹانہ اور جے دیو نام کے لڑکوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا۔ راجہ کھٹانہ نے بعد ازاں لاہور پر حکومت کی۔ اس نے حالات

RekhtaDownload.com

کی تبدیلی کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ سلطان محمد نے کھٹانہ گوجروں کو گجرات کے ضلع میں جاگیریں عطا کی۔ یہ فرقہ اپنی صرف ذات تک ہی محدود نہ رہا۔ اس سے کئی شاخیں پیدا ہوئیں۔ جو گجگاہی۔ ٹوپاز۔ بھنڈر۔ بھوکھنج۔ دیہار۔ اور دوسر فرقوں کے نام سے موسوم ہوئے۔ اس فرقہ میں سے ہندو کھٹانہ بھی ہیں۔ جن کی آبادی پنجاب کے کئی حصوں میں ہے۔ یہ عموماً اپنے آپ کو تونور راجپوت کی اولاد میں سے سمجھتے ہیں۔ جو اپنے کھاٹو نگر گاؤں کے نام سے مشہور ہیں، جو جے پور میں واقع ہے۔ اصلیت میں ٹوپاز بھی کھٹانہ کی اولاد میں سے ہیں۔ چونکہ ان کے ایک بزرگ آدم نے سوا لاکھ روپیہ گجرات شہر کی تعمیر کے لئے اکبر بادشاہ کے خزانہ میں تعاون کے طور پر دیا تھا۔ یہ رقم ٹوپا پیمانہ کے ماپ کے ذریعہ ادا کی تھی۔ اس لئے اس کی اولاد ٹوپاز کے نام سے موسوم ہوئی۔ ٹوپا سے اب بھی دیہاتوں میں اناج کا لین دین کیا جاتا ہے۔

چندیل

اس فرقہ کے گوجر اپنے آپ کو چندر بنسی خاندان سے تصور کرتے ہیں۔ جس کا تعلق گندھرب کماری سے تھا۔ جیسے کہ کشیپ کی تازیم آدی بھارت سے معلوم ہوتا ہے۔ مسٹر سمتھ نے اپنی کتاب

"انڈیا کا پراچین اتہاس" میں ان کے آغاز کا حوالہ دیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ ان کا جنم استھان کن دریا کے کنارے پرمینا گاؤں تھا۔ اس ذات کا نانکو نام کا ایک مشہور سردار ہوا ہے۔ جو کہ انیسویں[19] صدی عیسوی میں بہت مشہور تھا۔ یہ چندیل فرقے کا پہلا راجہ ہوا ہے۔

دھکڑ

اس فرقہ کے گوجروں کا خیال ہے کہ ایک دفعہ میاں شریف شیاری راجہ نندھ کے پاس شادی کا پیغام لے کر گیا۔ اس نے اس کے مجوزہ پرستاؤ کو منظور نہ کیا اور باہر نکال دیا۔ بعد ازاں اس کی اولاد کو دھکڑ کے نام سے پکارا جانے لگا اور دھکڑ کہا جانے لگا۔

لودھے

اپنی روایات کے مطابق اس فرقہ کے گوجروں کو یقین ہے کہ وہ میاں لال سنگھ کی اولاد میں سے ہیں۔ جو دہلی کے گرد و نواح میں ایک راجہ تھا جو کہ راجپوت تھا۔ راجہ کسی وجہ سے جہلم کی طرف گیا تو اس کی ملاقات ایک گوجری سے ہوئی۔ اس نے اس سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اس کے والدین نے اس

سے شادی کرنے کی ایک شرط رکھی کہ مسلمان ہونے پر وہ اپنی لڑکی کی شادی کرے گا۔ چنانچہ اس کی خواہش کے مطابق راجہ لدھر سنگھ نے اسلام مذہب کو قبول کرکے اس گوجری سے شادی کی۔ اس طرح اس کی اولاد کو لودھے گوجر کہا جانے لگا۔

چوہان اور چیچی

اس فرقہ کے گوجروں کے بزرگ ہندو راجپوت تھے، جو اپنے آپ کو دہلی کے سردار رائے پتورا کی اولاد سمجھتے ہیں۔ وہاں ان کے بزرگ بڑے بڑے جاگیردار اور سردار تھے۔ دہلی اور اجمیر کے آس پاس یہ رہائش پذیر تھے۔ چیچی اپنے آپ کو راجہ جگدلو کے لڑکے چیچی کی اولاد سے مانتے ہیں۔ اُس نے سلطان محمد کے پاس ملازمت بھی کی تھی۔ ایسی ان کی کہانیوں سے پتہ چلتا ہے۔ اُس نے اپنے نام سے چیچیاں گاؤں بھی بسایا تھا۔ اورنگ زیب کے عہدِ حکومت میں اس فرقہ کے کئی راجپوت سرداروں نے مسلم مذہب قبول کیا تھا۔ مگر مسلمان ہونے پر بھی انہوں نے اپنی ذات کو نہ بدلا اور چوہان ذات کو ہی اپنے نام کے ساتھ رکھا۔ یہ کھٹانوں سے اپنا گہرا تعلق تصور کرتے ہیں۔ ان میں سے کئی ایک خاندانوں نے گائے بھینس کو پالنے اور دودھ گھی کو فروخت کرنے کے دھندے کو اپنایا اور گوجر قوم کے نام سے مشہور

ہوئے۔

اِس فرقہ کے گوجر گوگا کو اپنا بزرگ تصور کرتے ہیں۔ گجرات (کاٹھیاواڑ) میں ہر سال اس کی یاد میں میلہ لگتا ہے۔ گوگا کی تصویر (مٹی سے) بڑے سائز کی بنا کر جلوس نکالتے ہیں۔ بعد ازاں اِس مورتی کو تالاب یا دریا میں ڈبو دیتے ہیں۔ گوگا ایک راجے کا لڑکا تھا۔ اس کی ماں نے ایک سانپ کو بھی جنم دیا تھا۔ وہ سانپ کو پیار کرتا تھا۔ اِس کے عوض میں سانپ نے گوگا سے کہا کہ جب وہ کسی تکلیف میں ہو تو اُس وقت اسے یاد کرنے پر وہ اس کی مدد کرنے کے لئے حاضر ہو جائے گا۔ اس کے متعلق کئی ایک لوک گیت بھی ہیں۔ جو اس فرقہ کے لوگ وقت وقت پر گاتے ہیں۔

گوجروں کی روایات کے مطابق ان کے چوراسی گوتر ہیں۔ انہیں چوراسی گوت کا دیا بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی کہ چوراسی کی روشنی۔ بعد ازاں ان کے گوتروں میں اضافہ ہوا۔ اِن کے سردار ہائے نمایاں کی وجہ سے نیز گاؤں اور دریا کے ناموں سے بھی اِن کے فرقے مشہور ہوئے۔ ان لوگوں میں بھی گوتروں اور ذاتوں کے مطابق بھید بھاؤ ہے۔ اُونچی ذات والے گوجر اپنی لڑکی کی شادی چھوٹی ذات کے گوجروں میں نہیں کرتے۔ پرانے زمانے میں اِن میں بھی لڑکیوں کے پیدا ہونے پر اسے مار دیا کرتے تھے۔ مگر 1877ء میں قانون نافذ ہونے پر یہ رسم بند کر دی گئی۔ ان کے چیدہ چیدہ گوتروں اور ذات کی تفصیل

مندرجہ ذیل ہے، جو ملک کے الگ الگ علاقوں میں آباد ہیں۔

(1)۔ بھٹی (2)۔ ڈھینڈے (3)۔ پیچی (4) گورسی

(5)۔ کسانہ (6)۔ بجاج (7) چوہان (8) بنیے

(9) لوہے (10) کھٹانہ (11) کیلے (12) پامبھڑے

(13) مغل (14) بجران (15) ڈھیکڑے (16) ریڑدے

(17) کاندل (18) دھکڑ (19) بارو (20) زانے

(21) دھیبہ دھڑ (22) لوکڑے (23) چوپڑے (24) سکلے

(25) کھاری (26) پوڑ (27) کولی (28) تاس

(29) برگھٹ (30) چاڑ (31) کالس (32) لپسوال

ان سب حالات اور واقعیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ قطعاً آریہ نسل سے ہی ہیں اور ان کے گوت اور ذات انہی آریہ نسل کے فرقوں سے ملتے ہیں، جن کا تعلق آریہ نسل سے ہے۔ اگرچہ زمانہ انقلاب کے نشیب و فراز میں ان کے بہت سے لوگوں نے اسلام مذہب کو قبول کیا، تاہم انہوں نے اپنے وجود کو قائم رکھا۔ اور انہوں نے اپنے گوت ذات اور روایات کو نہیں چھوڑا۔ تحقیق سے اصلیت کو افشاں کیا جا سکتا ہے کہ ہم سب ایک ہی بزرگ کی اولاد میں سے ہیں اور ایک ہی قوم سے ہیں۔

(۷) زبان

اِس ملک کے جس علاقے ہیں جہاں جہاں بھی گوجر آباد ہیں، خواہ وہ ہندو گوجر ہوں یا مسلمان۔ ان سب کی بول چال اور طرز بیاں تقریباً ایک طرح کا ہی ہے۔ اگرچہ زمانہ کے انقلاب کے بُدو جذر کے زیر اثر وہ اپنے آبائی علاقوں سے ہجرت کو دوسری جگہوں میں آباد ہوئے اور زماں کے اقتصادیات یں شامل ہوئے۔ مگر انہوں نے اپنی بھاشا اور لباس کو نہیں چھوڑا۔ وہ جہاں بھی گئے انہوں نے اپنی زبان کو نہیں چھوڑا۔ یہاں تک کہ اِسلام مذہب اختیار کرنے پر بھی، ان کی زبان پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ابھی تک بھی اِن کا لباس اور بول چال کی بھاشا ان کے قبیلوں میں جہاں بھی ہیں، محفوظ ہے۔ ہمسایہ آبادی کے لوگوں کی بھاشا کا اثر اگر ان کی بھاشا پر کچھ ہوا بھی ہو مگر پھر ان کی زبان ان لوگوں کی بھاشا سے خاص اثر انداز نہیں ہوئی۔ ان کی آبادی کا سلسلہ گجرات (کاٹھیاواڑ) سے لیکر مدھیہ پردیش۔ راجستھان اور گنگا و جمنا کے میدانوں سے ہوتا ہوا پنجاب۔ ہماچل اور جموں و کشمیر کے دُور دراز پہاڑوں و جنگلوں تک چلا گیا ہے۔ یو۔ پی کے پہاڑی علاقے گڑھوال۔ ڈیرہ ڈون۔ چکروتہ اور نیپال کی ترائی تک ان کی بھرپور آبادی ہے اور دوسری طرف پاکستان کے ہزارہ۔ سوات

اور چترال کے علاقوں تک ان کی آبادی کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ اِن سب علاقوں میں گوجر اپنی ایک جیسی بولی بولتے ہیں۔ اپنی اِس ایک جیسی زبان کی وجہ سے اپنی برادری کے بھائی چارے کو قایم رکھا ہوا ہے۔ اِسی ایکتا کے ذریعہ وہ دُور دراز علاقے میں رہنے والے گوجروں چاہے ہی ان نے کوئی دُوسرا پیشہ اختیار کیا ہو' چاہے وہ چترال کے پہاڑی علاقے میں رہتا ہو یا گجرات کے میدانوں میں یا مدھیہ پردیش یا یو۔پی میں رہتا ہو۔ یا جموں و کشمیر یا ہماچل میں ہوں۔ اُنہوں نے اپنے برادری کا رشتہ قایم رکھا ہوا ہے اور بلا تکلیف ایک دوسرے سے مِلتے جُلتے ہیں۔ جو زبان یہ بولتے ہیں وہ راجستھان سے ملتی جلتی ہے۔ اِن کی زبان میں دُوسری بدیشی زبان کے کچھ الفاظ کی بھی آمیزش ہے۔ اِس کے علاوہ گجرات۔ مہاراشٹر۔ بھڑوچ۔ میواڑ اور میوات کی بھاشاؤں کے الفاظ کی بھی ان کی بولی میں کچھ ملاوٹ ہے۔ بھلے ہی اُنہوں نے اپنی زبان میں کچھ دُوسرے الفاظ کو جذب کیا ہے۔ ان کی زبان کسی کی بھاشا سے اَثر اَنداز نہیں ہوئی۔ اُنہوں نے اپنے ہمسایہ بھائیوں کی بولی کو نہیں اپنایا۔ کئی نسلوں سے وہ مختلف علاقوں میں رہتے چلے آنے کے باوجود بھی انہوں نے اپنی زبان کو سنبھال کر رکھا ہوا ہے۔ اور اسی اپنی گوجری بولی کو ہی اِستعمال کرتے چلے آرہے ہیں۔ اگرچہ وہ اپنے ہمسایوں کے ساتھ ان کی بولی میں کافی حد تک بات کر سکتے ہیں۔ مگر گھر اور اپنی برادری میں وہ اپنی گوجری بھاشا میں ہی بات

چیت کرتے ہیں۔ گویا کہ انہوں نے اپنی صدیوں پرانی زبان کو نہیں چھوڑا، جو کہ ان کے لئے قابل آفرین ہے۔

اس سلسلے میں ملک کے مشہور مورخ شری سی۔ وی۔ وئیدیہ نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگرچہ گوجروں نے حالات کے زیر اثر اپنے آبائی علاقوں اور گھروں سے ہجرت کی ہے۔ مگر زبان کے تلفظ میں تبدیلی نہیں آئی۔ اس وقت ان کی زبان شمالی گجراتی جو سوروسینی سے ملتی جلتی تھی اور جو اس وقت ملک کے شمالی علاقے کی زبان تھی۔ یہ زبان شمالی ہند کے گوجروں پر اثر انداز تھی۔ مگر صدیوں کی وجہ سے ان کی بول چال کی زبان میں قدرے کچھ تبدیلی رونما ہوئی جو کہ قدرتی امر تھا۔ ملک کے جس حصے میں گوجر آباد ہیں۔ بھلے ہی وہ پاکستان کے دور دراز کے علاقوں میں رہتے ہوں۔ ان سب کی زبان ایک جیسی ہی ہے، جسے گوجری کہا جاتا ہے۔ شری کے۔ ایم۔ منشی نے اپنی کتاب میں اس ضمن میں کچھ روشنی ڈالی ہے کہ صدیوں تک کشمیر کی سرکاری زبان اردو رہی۔ مگر اتنی لمبی مدت میں سنسکرت کے صرف چند الفاظ کی ملاوٹ ہی ہو سکی، جو کہ راجستھان۔ مارواڑی اور گجراتی زبان کے تھے۔ مگر اس علاقے کے گوجروں کی زبان میں اس سرکاری زبان اردو کا اثر نہ ہو سکا۔ گویا کہ ان کی زبان باہری ملاوٹ سے محفوظ رہی اور اپنی راجستھانی ملی جلی گوجری زبان کو انہوں نے بغیر کسی ملاوٹ کے محفوظ رکھا۔

مسٹر گریرسن کا نکتہ نگاہ اس کے متعلق کچھ اپنا ہی ہے۔ اس نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ یا گوجری زبان راجستھانی زبان کا بدل ہے یا راجستھانی گوجری زبان کا۔ گوجری اور مارواڑی آپس میں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ الور میں بول چال کی زبان راجستھانی کی طرح ہے۔ البیرونی کی تحقیق کے مطابق میواتی زبان جو میوات میں بولی جاتی ہے، گجرات کی بولی سے ملتی جلتی ہے اور گوجری مشرقی سنٹرل راجپوتانہ میں بھی بولی جاتی ہے جو کہ میواتی زبان کے نزدیک ترین ہے۔ کشمیر کے گوجر جو زبان بولتے ہیں۔ پاکستان کے ہزارہ۔ سوات اور چترال میں رہنے والے گوجر بھی اسی طرح کی زبان کا استعمال کرتے ہیں۔ گویا کہ راجستھان کی میواتی زبان کا اثر گوجری زبان پر بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ گوجری بھاشا بھی گوجروں کی زبان تھی۔ جس کا انحصار راجستھان کی میواتی زبان پر تھا۔ گو اس زبان میں کچھ دوسرے الفاظ کی آمیزش ہے۔ مگر ان کی گرامر میواتی بھاشا کی طرح ہی ہے۔ جو کہ مارواڑی سے ملتی ہے۔ پاکستان کے سوات وغیرہ علاقوں میں ان کی زبان (جیسے کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے) میواتی زبان سے اثر انداز ہونے پر اس دلیل کی تائید کرتی ہے کہ یہ زبان مشرقی راجستھان کے تلفظ کی اکائی سے ملتی ہے۔ جو چمبہ (ہماچل کا ضلع) کے پہاڑوں سے ہوتی ہوئی گڑھوال اور کماؤں سے ہوکر مغربی نیپال کی ترائی تک ایک ہی طرح کی زبان کا استعمال ہوتا ہے۔ اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ سوات میں

ہمالیہ کی نچلی پہاڑیوں سے لے کر چمبہ (ہماچل کا ضلع) سے مغربی نیپال کی ترائی میں رہنے والی گوجر آبادی کی زبان مشرقی راجستھان کی زبان کی طرح ہے کہ نہیں۔ جو کہ خاص طور سے میواتی کی طرح ہے۔ اگرچہ وہ مشرقی راجپوتانہ سے قدرتی ذروں سے منقسم ہیں تاہم جہاں پر وہی بھاشا بولی جاتی ہے۔ گویا کہ بھلے ہی ان لوگوں نے حالات کی مجبوری کی وجہ سے ہجرت کر کے دور دراز پہاڑوں کو عبور کر کے پہاڑوں کی ترائی میں اپنے آپ کو آباد کیا۔ مگر انہوں نے اپنی میواتی اور راجستھانی زبان کو بدستور قائم رکھا۔ ان کی بھاشا کی تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم سے انہوں نے ملک کے مشرقی علاقوں سے ہجرت کر کے شمالی اور مغربی حصوں میں آکر پناہ لی۔ یہ کوئی جواز نہیں تھا کہ وہ پنجاب۔ گنگا اور جمنا کے میدانی زرخیز علاقوں کو خیرباد کہہ کر راجستھان کے ریگستانی علاقوں کی طرف ہجرت کرتے مگر یہ رائے دلیل کی کسی کسوٹی پر پوری نہیں اترتی۔ سینکڑوں سالوں سے رہائش پذیر ہونے پر بھی یہ لوگوں کی سماجی زندگی میں مدغم نہیں ہو سکے۔ انہوں نے اپنی اکائی کو پوری طرح سے برقرار رکھا۔ ان کی بھاشا کی تحقیق سے یہ رائے ظاہر ہوتی ہے کہ ان کی بولی میواتی اور باالترتیب میواتی راجستھانی بولی سے بہت مشابہت رکھتی ہے۔

مسٹر سمتھ کی رائے ہے کہ سوات وغیرہ علاقوں (پاکستان) کے گوجر اور مشرقی چمبہ (ہماچل) کے ہمالیہ کی ترائی کے ذرّوں کو اس

بہت بڑی آبادی کا حصہ سمجھنا چاہئے جو عام راجستھانی بول چال کی بھاشا کو استعمال کرتے تھے۔ گویا کہ ان لوگوں نے جب وہاں سے ہجرت کرکے ان پہاڑی علاقوں میں پناہ گزیں ہوئے تو ان کی زبان راجستھانی تھی۔ مسٹر منشی نے اس رائے کی تائید کی ہے اور ان کی بھاشا کو راجستھانی قرار دیا ہے۔

مطالعہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جب ان کے تہذیب و تمدن رسم و رواج۔ روایات اور بھاشا کے متعلق کھوج کی جاتی ہے، تو پتہ چلتا ہے کہ آج جو گوجر راجستھان سے لے کر کشمیر اور وہاں سے ہوتے ہوئے ہماچل۔ یو۔ پی کے پہاڑوں اور نیپال کی ترائی میں رہتے ہیں۔ ان سب کی زبان ایک طرح کی ہی ہے جو میواتی اور راجستھانی وغیرہ سے بااثر ہے۔ مگر جس زبان کی اپنی جگہ ہے، اپنا مقام ہے، اپنا وجود ہے اور جسے گوجری زبان کہتے ہیں۔

(۱۱) تفصیل آبادی اور چرانہ

یہ تو پہلے ہی ذکر آچکا ہے کہ گوجر قوم کا ماضی بہت شاندار تھا۔ اور خوشگوار عروج پر جھوم رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ملک کے بہت سے گاؤں اور شہر اِن کے کارنامے نمایاں کی وجہ سے مشہور ہوئے۔ یہ اُن کی خاص خاصیت رہی ہے کہ انہوں نے شہروں۔ گاؤں اور پڑاؤ جہاں بھی وہ گئے اُن کو اپنے نام سے موسوم کیا۔ جس سے اِن کے شاندار ماضی کے لامثال ثبوت ملتے ہیں۔ اپنے ملک کے ننگ و ناموس اور حفاظت کیلئے محافظ بن کر ان لوگوں نے بہت کچھ کیا۔ اپنی مادر وطن کے لئے جو انہوں نے قربانیاں دیں اس وجہ سے اِنہیں مارشل یعنی قوم کے بہادر سپاہی کے نام سے موسوم کئے گئے۔ ان کی آبادی ملک کے شمالی حصہ میں ہے۔ راجپوتنہ اور مدھیہ پردیش میں عموماً ہندو گوجروں کی آبادی ہے جو بڑے بڑے زمیندار اور تعلقہ دار ہیں۔ یو۔ پی۔ دہلی۔ پنجاب اور ہریانہ میں ہندو اور مسلمان گوجروں کی آبادی ساتھ ساتھ ہے۔ ان میں مسلمان گوجر زیادہ تر خانہ بدوش ہیں۔ اُتر پردیش کے پہاڑوں نیز ہماچل اور کشمیر کے پہاڑوں میں گوجر عموماً اسلام مذہب کے پیروکار ہیں۔ اور زیادہ تر خانہ بدوش ہیں۔ نیپال کی ترائی تک گوجروں کی آبادی کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ گویا کہ یہ لوگ مدھیہ پردیش کے ست پڑا کے پہاڑوں سے لیکر ہماچل۔ کشمیر کے ہمالیہ

کے دور دراز جنگلوں اور پہاڑوں کے میدانوں اور ترائی و سرسبز وادیوں اور دریاؤں کے ساتھ ساتھ کھار کے میدانی خطوں میں یہ لوگ بڑی بڑی بستیوں میں آباد ہیں۔ یہ سب کے سب مسلمان مذہب سے ہیں اور ان کا پیشہ مویشی پشتو پالن اور دودھ گھی وغیرہ فروخت کرنے کا ہے۔ اسی طرح کی قوم علاقہ گورجستان میں بھی ہے جو روس میں ہے۔ اس علاقہ میں گوجر قوم کے افراد زمانہ قدیم سے مختلف قبیلوں میں آباد ہیں۔ اس ملک کے گوجروں کی طرح وہ لوگ بھی گرمیوں میں کوہ قاف کی گھاس سے لدی سرسبز چراگاہوں میں چلے جاتے ہیں اور سردیوں میں واپس میدانوں میں آجاتے ہیں۔ اسی طرح افغانستان کے علاقہ تورستان میں بھی گوجروں کی کافی تعداد آباد ہے، جن میں خانہ بدوش بھی ہیں۔ جو پشتو پالن کرکے دودھ گھی فروخت کرتے ہیں۔ ہندوستان میں ان لوگوں کی ایک عظیم پائیدار حکومت تھی جس پر ملک کو ناز تھا۔ اس کے دور حکومت میں کسی بدیش حملہ آور کو ملک کی سرحدوں کو چھوتے تک کی جرأت نہیں ہوئی۔ جس کسی نے ذرہ بھی پیش قدمی کی اور سرکش ہونے کی جرأت کی۔ اسے حروف وغلط کی طرح نیست ونابود کر دیا گیا۔ مگر آخر کار ملکی سیاسیات کی نشیب وفراز کی گردش میں یہ لوگ اپنے آبائی گھروں اور علاقوں کو چھوڑنے کے لئے مجبور ہوئے۔ وہاں سے ہجرت کرکے ملک کے شمالی حصوں میں پناہ گزیں ہوئے۔ اس وقت ان علاقوں میں گھنے جنگل اور

سرسبز گھاس سے چراگاہیں لدی ہوئی تھیں۔ چرانہ کا تناسب بہت زیادہ تھا۔ ان کی اقتصادیات اکائی کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔ ہر طرح کی بدحالی۔ پریشانی اور خستہ حالی نے اِن پر غلبہ پانے کی وجہ سے اِن میں احساس کمتری پیدا ہو چکا تھا۔ اپنی زندگی کی گاڑی چلانے کیلئے اُنہوں نے نئے روزگار کی تلاش شروع کی اور اپنی شہوت کے مطابق اُنہوں نے گائے بھینس کو پالنا اور دودھ۔ گھی کو فروخت کرنے کے پیشہ کو اختیار کیا۔ ان سب علاقوں کے گوجروں کی اقتصادی حالت کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے، تو پتہ چلتا ہے کہ گجرات۔ راجستھان اور مدھیہ پردیش کے رہنے والے گوجروں کی اقتصادی حالت اِن گوجروں سے جو اُتر پردیش۔ ہماچل اور کشمیر کے پہاڑوں، جنگلوں میں رہنے والے گوجروں سے بہت بہتر ہے۔ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں خوشحال اور خواندہ ہیں۔ اس سلسلہ میں راجستھان سرکار نے اپنے ۱۲ جون 1959ء کے خط میں انکشاف کیا ہے کہ اس پردیش میں کوئی بھی خانہ بدوش گوجر نہیں ہے۔ وہاں پر 23500 گوجر پریوار ہیں۔ اس پر ان کے اسٹنٹ سیکرٹری نے بھی اس رائے کی تائید کی ہے کہ ان کے پردیش میں گوجروں کی جتنی آبادی ہے، وہ سب کے سب خوشحال ہیں۔ چیف کنزرویٹر آف فارسٹس، مدھیہ پردیش نے اپنے خط مورخہ 13 جولائی 1959ء کو لکھا تھا کہ ان کے پردیش میں 6171 گوجر پریوار ہیں۔ اِن میں سے 650 خانہ بدوش گوجر ہیں، جن کے پاس چالیس ہزار پشو

ہیں۔ جن کے مسائل ابھی غور طلب اور حل طلب ہیں۔ ان کے فلاح و بہبود کے لئے پورے غور و خوض کی ضرورت ہے۔ یہ خانہ بدوش گوجر گھاس کی تلاش میں اپنے پشوؤں کو پہاڑوں کی چوٹیوں پر لے جاتے ہیں، جہاں چرانہ لائق رقبہ لگ بھگ 11064 مربع میل ہے۔ وہاں چرانہ کا تناسب 12 ایکڑ فی یونٹ کے حساب سے حاصل ہے، جو کہ مناسب تناسب سے بہت کم ہے۔ اس وجہ سے ان کے پشوؤں کو پیٹ بھر چارا میسّر نہیں ہوتا۔ اس کا اثر حاصل شدہ دودھ، گھی کی پیداوار پر پڑتا ہے۔ جو ان کی اقتصادی حالت کی بہتری میں از حد رکاوٹ ہے۔ لہذا ان کے مسائل حل کرنے کے لئے غور کرنے کی فوری و اشد ضرورت ہے۔

اسی طرح اتر پردیش میں 4695 گوجر پریوار ہیں، جن کے پاس 13232 پشو ہیں۔ جیسے کہ صوبائی سرکار نے اس کے متعلق تفصیل دی ہے۔ کنزرویٹر آف فارسٹس نے اپنے دفتری خط مورخہ 23 مارچ 15 جون اور 7 نومبر 1956ء کے مطابق متذکرہ بالا اعداد و شمار مہیا کئے ہیں۔ اس میں سے 332 پریوار ایسے ہیں، جو خانہ بدوش زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے پاس 10075 پشو ہیں۔ یہ لوگ صوبے کے مختلف حصوں میں آباد ہیں۔ اس پردیش میں چرانہ لائق رقبہ جہاں ان کے پشو چرانہ کرتے ہیں، 144737 ایکڑ ہے۔ اس میں سے ٹیہری گڑھوال سرکل میں 11001 ایکڑ چرانہ انہیں حاصل ہے۔ پردیش کے مغربی سرکل میں چرانہ 133736 ایکڑ ہے۔ ان حلقوں میں

چرانہ کا تناسب 30 ایکڑ اور 16 ایکڑ فی یونٹ بالترتیب ہے۔ اِس جگہ چرانہ تناسب سے زیادہ ہے۔ یہاں پشوؤں کی تعداد چرانہ کیلئے بڑھائی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس علاقہ کے گوجر خوشحال ہیں۔ کیونکہ ان کے پشوؤں کو پوری مقدار میں گھاس اور چرانہ میسر ہے۔ گرمیوں کے دنوں میں وہ چکروتہ لینڈز ڈاؤن۔ ڈیرہ دون۔ ٹیہری گڑھوال اور نینی تال کے جنگلوں اور پہاڑیوں کی چوٹیوں میں اپنے مویشیوں کے چرانہ کے لئے جاتے ہیں۔ اور سردیوں کے دنوں میں وہ سہارنپور۔ راج پور۔ ہردوار ضلعوں کے میدانوں میں واپس آجاتے ہیں۔ اِس طرح اِن کی خانہ بدوش زندگی کا سلسلہ عرصۂ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ اِن کے مسائل بھی غور طلب ہیں۔

جب پنجاب کے گوجروں کے متعلق تحقیق کی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کنزرویٹر آف فارسٹس پنجاب کے خط نمبر 5660 مورخہ 10 اگست 1950ء کے مطابق اِس صوبہ میں 1950 گوجر پریوار ہیں، جن کے پاس 17260 مویشی ہیں۔ ان میں سے 180 پریوار ایسے ہیں، جو خانہ بدوش ہیں۔ ان کے پاس 156 پشو ہیں۔ اِس صوبہ میں چرانہ لائق رقبہ 94865 ایکڑ ہے۔ جہاں چرانہ کا تناسب 3.52، 0.29 اور 5.53 ایکڑ فی یونٹ کانگڑہ۔ سراج اور کلو جنگلات سرکلوں میں بالترتیب میسر ہے۔ چرانہ کا یہ تناسب یہاں پر حوصلہ افزا نہیں ہے۔ ان کے پشوؤں کو پوری خوراک نہ ملنے کی وجہ سے ان کی اقتصادی حالت بہتر ہونا مشکل ہے۔ ان کی اِس حالت

زار پر نظرِ ثانی کی اشد ضرورت ہے۔ سردی کے دنوں میں یہ لوگ اپنے پشوؤں کے ساتھ گورداسپور، ہوشیار پور اور پٹیالہ کے میدانوں میں سردی کاٹنے کے لئے آجاتے ہیں۔ اور گرمیوں کے دنوں میں یہ لوگ کشمیر۔ ہماچل اور پنجاب کے پہاڑوں کی اونچی اونچی چوٹیوں اور جنگلوں میں اپنے پشوؤں کے لئے گھاس کی تلاش میں جاتے ہیں۔ اِن کی خانہ بدوش زندگی کا سلسلہ پرانے زمانے سے اسی طرح چلا آرہا ہے۔ قوم کا ایک حصہ جمہوریت کے اِس دَور میں بھی اِس طرح بیکسی کی زندگی بسر کرے۔ زیادہ عرصہ تک اس خانہ بدوش زندگی کا سلسلہ چالو نہیں رہ سکتا۔ ان کے پیچیدہ مسائل پر اور انہیں قوم کا ایک کارآمد جزو بنانے کے لئے سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

اِس طرح ہماچل کے گھنے جنگلوں اور دور دراز پہاڑوں میں 2075 گوجر پریوار ہیں۔ جن کے پاس 29538 پشو ہیں۔ جو تفصیل اس پردیش کے چیف کنزرویٹر آف فارسٹس کے خط نمبر 288/4-45 مؤرخہ 23 اگست اور 22 اکتوبر 1956 سے ہمیں حاصل ہوئی ہے۔ ان میں سے 1234 پریوار ایسے ہیں جن کے پاس 18247 گائے و بھینسیں ہیں۔ اس پردیش میں چرانہ لائق رقبہ تقریباً 18,37,478 ایکڑ ہے۔ جو کہ صرف 209/89 4 یونٹوں کے لئے ہے۔ اِس تناسب سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس پردیش میں 0.43 ایکڑ فی یونٹ چرانہ ان پشوؤں کو حاصل ہے۔ جنگلوں اور پہاڑوں کا تناسب سے زیادہ مقدار میں چرانہ ہونے کی وجہ سے ملک کے لئے ایک خطرہ پیدا ہوا ہے۔ اگر اس رفتار سے اور تناسب سے چرانہ ہوتا گیا، تو اس خطے کے لئے ایک سنگین

خطرہ لاحق ہونے کی امید ہے۔ جسے ہر وقت سوچنے کی ضرورت ہے۔
شری بی۔ ایس۔ برہار ڈویژن فارسٹ آفیسر ہماچل نے اپنی ہماچل کے گوجر مسائل رپورٹ میں پوری وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ ان گوجروں کی اقتصادی حالت قابل رحم ہوتے کی یہ بھی ایک وجہ ہے کہ ان پشوؤں کو پوری خوراک نہ ملنے کی وجہ سے وہ پوری مقدار سے پیداوار حاصل نہیں کرتے۔ پنجاب کے پشوؤں کی نسبت ان پشوؤں کا جو دودھ اور گھی ہوتا ہے وہ بہت کم اور گھٹیا قسم کا ہوتا ہے۔ اس لئے انہیں پیداوار کے محنت کے باوجود بھی پورے دام نہیں ملتے۔

ان کی بدحالی، خستہ حالت اور پچھڑے پن کو دیکھ کر ملک کی مشہور سوشل ورکر مس مرڈولہ سارا بھائی نے یونائیٹڈ کونسل فار ریلیف اینڈ ویلفیئر دہلی کے تحت ان میں کام شروع کیا تھا۔ ان میں بہبودی کے کام کو سرانجام دینے کے لئے شری اے۔ این۔ بھارد واج کو تعینات کیا تھا۔ جس نے ہماچل کے گوجروں کے مسائل کی طرف راغب کرنے کے لئے بہت کام کیا۔ یکے بعد دیگرے گوجر ٹرائبل کے کانفرنسوں کو منعقد کر کے ملک کے لیڈروں اور سرکار کی توجہ ان کے مسائل کیطرف مبذول کرائی۔ نتیجہ کے طور پر سرکار نے ان کے فلاح و بہبود کے لئے اپنے پانچسالہ منصوبوں میں خاص رقم منظور کی۔ اس کے علاوہ ہماچل میں قبیلہ کے طور پر انہیں شیڈولڈ ٹرائب کا درجہ دینے کا اعلان کر کے انہیں خاص قوانین کے تحت کافی رعایتیں بہم پہنچائی گیئں۔ ان

میں کئی آشرم اور موبائیل سکول بھی چالو کیے گئے۔ اب یہ سرکار کی ذمہ داری میں آتا ہے کہ ان میں چالو کیے گئے فلاح و بہبود کے کام کو جاری رکھنے کے لئے پانچسالہ منصوبوں میں ان کے لیے خاص رقم منظور کرائی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہماچل سرکار نے گوجراں میں فلاح و بہبود کے لئے جو کام کیا ہے، وہ قابل تعریف ہے۔

گوجروں کی سب سے زیادہ مقدار ریاست جموں وکشمیر میں ہے۔ ان کا تناسب ریاست کی کل آبادی کا تقریباً ۱/۵ حصہ ہے۔ ان میں سے 75% زمیندار گوجر ہیں۔ 25% گوجر ایسے ہیں جو خانہ بدوش ہیں۔ جو گرمیوں میں جنگلوں اور پہاڑوں کی چوٹیوں کی چراگاہوں اور سردیوں میں ریاست کے نچلے میدانی علاقوں میں آجاتے ہیں۔ ان کی زندگی کا یہ سلسلہ عرصہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ ریاست کے گوجروں کے متعلق تفصیل جو اس کتاب کا موضوع ہے۔ اگلے باب میں دیا گیا۔ جہاں دلچسپ معلومات بہم پہنچائی گئی ہیں۔ ریاست کی چراگاہوں میں کتنے ایکڑ چرانہ ہے اور اس کا تناسب فی یونٹ کتنا ہے۔ یہ معلومات از حد کوشش کرنے پر بھی حاصل نہیں ہو سکی۔ ملک کے باقی حصوں کی چرانہ کی جو تفصیل ہمیں حاصل ہوئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے لیشووں کو جو چرانہ حاصل ہوتا ہے وہ مناسب منظور شدہ تناسب سے بہت کم ہے۔ جس پر سنجیدگی سے غور و خوض کی ضرورت ہے۔ ان صوبوں

کی سرکاروں کا یہ فرض اولین ہے کہ وہ ان کے اِس مسئلہ کی طرف اِنسانیت کے نکتہ نگاہ سے دھیان دیں۔ جو جمہوریت کے لئے کلنک ہے۔

متذکرہ بالا اعداد وشمار سے پتہ چلتا ہے کہ چرانہ کا تناسب مخصوص تناسب سے بہت کم ہے جبکہ ۲ ایکڑ تک فی پشو کے لئے چرانہ درکار ہونی چاہیئے۔ یعنی کہ ایک ایکڑ فی یونٹ کے تناسب سے کم از کم چرانہ حاصل ہونا چاہئے۔ بصورت کم چرانہ حاصل ہوتے پر گوجروں کی مالی حالت پر جو اثر پڑتا ہے وہ نقصان دہ ہے۔ جس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ بدقسمتی سے جنگلوں اور پہاڑوں کی سرسبز چوٹیوں کی چراگاہیں جہاں گوجر موسم گرما میں اپنے پشوؤں کو چرانہ کے لئے لے جاتے ہیں، کے رقبے کی پوری معلومات محکمہ جنگلات کے پاس نہ ہونے کی وجہ سے انہیں یہ پتہ نہیں ہے کہ کس دھار پر کتنا چرانہ ہے۔ سابقہ ریکارڈ کے مطابق ہی چرانہ کے پرمٹ جاری کئے جاتے ہیں۔ چاہے اس چراگاہ کی حالت کیسی بھی ہو۔ ریکارڈ اور موقع کی حالت کا مقابلہ ہونے پر زمین اور آسمان کا فرق دکھائی دیتا ہے۔ محکمہ جنگلات چرانہ کی فیس تو پوری حاصل کر لیتا ہے۔ مگر فی یونٹ کتنا چرانہ ان کے پشوؤں کو ملنا چاہئے اور حقیقتاً کتنا دستیاب ہوتا ہے۔ اِس ذمہ داری کو محکمہ محسوس نہیں کرتا۔ جبکہ چرانہ کی فیس حاصل کرنے کے بعد ان کا قانونی اور اخلاقی فرض ہو جاتا ہے کہ وہ تناسب کے مطابق

چرانہ کا رقبہ ان پشوؤں کے لئے مہیا کریں۔ اس لئے یہ ضروری امر ہو جاتا ہے کہ تناسب کے مطابق چرانہ مہیا کرنے کے لئے جنگلات کا بروقت بندوبست ہونا چاہیئے تاکہ ان کا ریکارڈ موقع کے مطابق درست رہے۔ محکمے کا ریکارڈ درست نہ ہونے کی وجہ سے کسی دھار کیلئے پشوؤں کے پرمٹ اتنی تعداد میں جاری کئے جاتے ہیں جو اتنے پشوؤں کے لئے کافی نہیں ہوتی۔ کسی جگہ کم پرمٹ دیئے جاتے ہیں جو اس سے زیادہ تعداد کے پشوؤں کے لئے کافی ہوتی ہے۔ اس طرح قدرت کی طرف سے گھار پڑنے اور پسیاں گرنے سے چراگاہیں کم ہوتی رہتی ہیں اور دوسری طرف محکمہ کی لاپرواہی سے چراگاہوں پر حد سے زائد ہونے سے پہاڑ ننگے ہو کر گرتے رہتے ہیں۔ ان سب حالات پر نظر ثانی ہوتے پر ہی ان کے پشوؤں کو مناسب تناسب میں چرانہ مہیا ہونے کی امید ہو سکتی ہے۔ لہذا جنگلات کی حفاظت کے لئے جس کے لئے یہ محکمہ علمبردار ہے۔ یہ اشد ضروری ہے کہ مناسب قدم اٹھائے جائیں تاکہ پہاڑوں کے گرنے اور پسیاں پھسلنے کو روکا جا سکے۔

اس سلسلہ میں اس محکمہ کے ذمہ دار آفیسروں نے تسلیم کیا ہے کہ چراگاہوں کے رقبے کا صحیح ریکارڈ اور سروے نہ ہونے کی وجہ سے کئی چراگاہوں پر زائد اور کئی جگہوں پر کم چرانہ ہوتا ہے، جو مسلے کو اور بھی سنجیدہ اور پیچیدہ بناتا ہے۔ جب تک چراگاہ کا رقبہ درست نہ ہوگا، تب تک ان کے پشوؤں کو پوری خوراک حاصل نہ ہو

سکے گی۔ اِس لیے ان چراگاہوں کا پوری طرح سے از سرِ نو سروے ہونا درکار ہے۔ اِن چراندوں کی نشان دہی بھی ہونا لازمی ہے تاکہ گدیوں اور بکروالوں کے بھیڑ۔ بکریوں کے ریوڑ ان کی چراگاہوں کو نقصان نہ پونہچا سکیں۔ اِن کے چراندوں کی بھی نشان دہی ان کی واقفیت کے لئے ضروری ہے تاکہ اِن میں آپسی جھگڑے جو چرانہ کے سوال پر عموماً ہوتے ہیں، پیدا نہ ہوں۔ اور ساتھ ہی اِن کے ریوڑ گوجروں کے چرانہ کو نقصان نہ پونہچا سکیں۔

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ گوجروں کے پشو دھاروں پر جانے سے پہلے گدھی اور بکروال اپنے بھیڑ بکری کے ریوڑ ان کے چرانہ کو چراتے سے خراب کر دیتے ہیں جس سے گوجروں کو نقصان ہوتا ہے۔ اس ضمن پر بھی غور کیا جانا ضروری ہے۔ یہ ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

بنا تناسب کے زاید چرانہ جنگلات کی تباہی اور بربادی کا سبب ہے۔ اگر محکمہ جنگلات نے بر وقت اس طرف توجہ مبذول نہ کی۔ تو رونما ہونے والے سنگین نتایج کی ذمہ داری اس پر عاید ہوگی۔ ملک کا یہ سبز سونا قوم کا خزانہ ہے جس کی حفاظت کرنا ہر فرد خصوصاً محکمہ جنگلات کی اخلاقی ذمہ داری۔ اگر جنگلات کے سبزہ زار اور اس کی پیداوار کو بے تحاشا استعمال کیا جاتا رہا۔ تو اِس کا اثر جنگلات پر از حد برا پڑے گا۔ پہاڑ برہنہ ہو جائیں گے۔ اِس

صورت میں بارش کا پانی جب سیدھا پودوں پر پورے زور اور دباؤ سے پہاڑوں پر گرتا ہے، تو وہاں کئی طرح کے نالے وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ پتیاں گرتی ہیں اور طغیانی آنے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ چونکہ برہنہ پہاڑوں میں اتنی صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ بارش کے پانی کو جذب کر سکے۔ نتیجہ کے طور پر بارش ہونے کی صورت میں پانی جب سیدھا برہنہ پہاڑوں پر پڑتا ہے تو اس وقت یہ قدرتی دولت سبز اچھی گھاس۔ درخت و زرخیز زمین کا کٹاؤ و بہاؤ کے ذریعہ بناء قیمت کے ضائع ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ملک کو جو نقصان ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ لگانا از حد مشکل ہے جس نقصان کی تلافی سینکڑوں سالوں تک بھی پوری نہیں ہو سکتی۔ اس کا اثر سال بھر مختلف موسموں میں بارش ہونے۔ موسموں کی تبدیلی۔ وغیرہ پر سیدھا پڑتا ہے جو فصلوں کی پیداوار کے علاوہ، بجلی کے پیدا کرنے کے ڈیم۔ آبپاشی کیلئے نہروں سے وابستہ ہے۔ ملک کی بہبودی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ اہم ہے کہ اس پر سنجیدگی سے غور کیا جائے۔

ملک کے سبز سونا کے متعلق انسانی تہذیب میں ہمیں اس کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ بھگوان بدھ نے بھی اس کی وضاحت کی ہے کہ یہ جنگلات ہی ہیں جو انسانی تہذیب کا منبع ہے جو ساری کائنات کا آغاز ہے جو انسان سے زیادہ قدیم ہے۔ یہ جنگلات کی ہی اہمیت ہے جس نے انسان کو اپنی طرف راغب کیا۔ مگر انسان۔ انسان کی طرف متبذل

RekhtaDownload.com

نہ ہوسکا۔ ان کے ندی، نالوں، نباتات، درختوں اور پودوں کی کشش کے رشتہ نے انسان کو روحانیت کا درس دیا۔ انسان نے جب جب کبھی جنگلات کے سنسان و بیابان کی خوفناک تنہائی میں تپسیا کی۔ اسے تب تب اداسی و مایوسی پیدا نہیں ہوئی۔ بلکہ اس نے راحت اور سکون حاصل کی اور انسانیت کا سبق دیا۔ گویا کہ جنگلات ہی تھے۔ جس نے انسان کو راحت بخشی اور اشرف مخلوقات کو برائیوں سے نجات دلانے میں مدد کی۔ ویدک تہذیب اور بدھ ازم کا عروج بھی اسی وجہ سے ہی ہوا۔ رشی منیوں اور مہاتماؤں نے انہیں جنگلات میں بیٹھ کر ہی سچائی کی تلاش میں اپنے آپ کو قربان کیا۔ اور یہاں سے ہی خدا کا نور حاصل کر لوگوں کو سچائی کا راستہ دکھایا۔ اس طرح دُنیا کے جتنے بھی سادھو۔ سنت۔ مہاتما۔ رشی منی۔ پیغمبر اور پیغمبر پیدا ہوئے ہیں۔ ان سب نے انہیں جنگلوں کی بدولت ہی روشنی حاصل کی اور لوگوں کو اس سچائی کے راستے پر گامزن ہونے کی تعلیم دی۔ گویا کہ یہ جنگلات کی ہی اہمیت تھی۔ جس نے انسانی تہذیب کے تحفظ کے لئے بڑے بڑے پیر و پیغمبر پیدا کئے۔ لہذا جنگلات کے بے تحاشا کاٹنے پر یہ ساری کائنات جو ہم دیکھ رہے ہیں برباد ہو کر رہ جائے گی۔ ان سب حالات اور کائنات میں اس کی خصوصیت اور انسانی تہذیب میں اس کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے سماج کے ہر فرد پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ جنگلات کی پوری

طرح سے اپنی جائیداد سمجھ کر حفاظت کرے ۔ جو چیز جنگل کی استعمال کرتا ہے ۔ اِس سے دوگنی وہاں پیدا کرے ۔ یہی وجہ ہے کہ بے تحاشہ چرانہ ۔ کٹان اور دیگر استعمال سے جنگلات کی حالت اَبتر ہوگئی ہے ۔ سبزہ زار ۔ نباتات اور درخت و پودے نہ رہنے سے پہاڑ دن بدن برہنہ ہو رہے ہیں ۔ اِن پر بنا روکاوٹ سیدھی تیز دباؤ سے بارش کا پانی جب گرتا ہے اور آندھی و طوفان آتا ہے تو اِس صورت میں پہاڑ اپنی جگہ سے کھسکتے ہیں ۔ اِن میں نالے بن جاتے ہیں ۔ کٹان پیدا ہو جاتے ہیں اور ہر موسم میں طغیانی سے ملک کو بربادی کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔ اگر جنگلات محفوظ ہوں تو بارش کا پانی سبزہ زار ۔ نباتات اور درختوں و پودوں کے جھنڈ میں جذب ہوتا رہتا ہے ۔ اِس سے زمین کی زرخیزی برقرار رہتی ہے اور گھاس و درخت زمین کے کٹاؤ و بہاؤ کو روکتے ہیں ۔ اور باقی کا پانی دریا کی صورت میں بہہ جاتا ہے ۔ اِس حالات کے پیشِ نظر جنگلات کی حفاظت ہر شہری کا اِنسانی فرض ہے ۔

(VII) اقتصادی حالت

مستقل کئی صدیوں سے جب سے ان کا زوال ہوا۔ یہ جہالت اور پسماندگی کے گھڑے میں پڑے سسک رہے ہیں۔ زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی حالت قابل رحم ہے اور اقتصادی طور سے پسماندہ ہیں۔ سائنس کی روشنی اِن کی تاریکی کو ابھی تک دُور نہیں کر سکی۔ نتیجہ کے طور پر اگرچہ ان میں فلاح و بہبود کے کچھ کام ہوئے ہیں۔ مگر اقتصادی طور سے ان کی زندگی میں نمایاں تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ ان کا پیشہ عموماً پشو پالن کا ہونے کی وجہ سے یہ دودھ، گھی فروخت کر کے اپنا گذارہ کرتے ہیں۔ اتنی محنت کرنے کے باوجود بھی یہ ہمیشہ قرض کے بوجھ سے دبے رہتے ہیں۔ اِن کا یہ قرض ان کے بزرگوں سے چلا آ رہا ہے۔ اِن کے بزرگوں نے جو قرض ساہوکار سے لیا تھا، وہ ہزار کوشش کرنے کے باوجود بھی ان کی اولاد سے ادا نہیں کیا جا سکا۔ لہٰذا یہ پسماندہ لوگ قرض کے بوجھ سے دبے ہوئے ہیں۔ انہیں کتنا نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے۔ یہ تکلیف دہ اور پریشان کہانی ان تک ہی محدود ہے۔ ان کا پرسانِ حال کوئی سننے والا نہیں ہے۔ قرض کے یہ کتنے زیر بار ہیں۔ وہ تفصیل جیسے لگان سے، چرائی کے ٹیکس، متعلقہ آفیسران کی بازپرس اور ان کی تمام خواہشات کے مطابق ہونے والے اخراجات۔ خانہ بدوشی کے سفر میں ان کے اخراجات عبوری قیام برائے حاصل کرنے اور ادواری اخراجات

اور کھاد ضایع ہونے کے نقصان - اِن سب اخراجات کے میزان سے اور ان کی آمدنی کی ساری تفصیل کے ساتھ جب توازن کیا جاتا ہے، تو یہ اصلیت سامنے آجاتی ہے - اِسی طرح ہر سال نقصان برداشت کرنے سے وہ ساہوکار کے جنگل میں ہمیشہ کے لئے پھنسا رہتا ہے - یہ قرض نسل در نسل چلتا رہتا ہے - مگر یہ ایک افسوسناک بات ہے کہ یہ اپنی پیداوار کا مناسب فایدہ نہیں اٹھا سکتے - دوسرے لوگ جو ان کی پیداوار کی خرید و فروخت کرتے ہیں - انہوں نے بے شمار فایدہ اُٹھایا ہے - یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے کہ یہ لوگ جب دودھ و گھی فروخت کرنے کے لئے اپنے نزدیک کے بازار میں آتے ہیں۔ تو بنئے دوکاندار ان سے دودھ و گھی سستے نرخوں پر خرید لیتے ہیں - نرخ بھی وہ کم دیتے ہیں اور وزن میں بھی وہ چالاکی کرتے ہیں - اِس کے عوض وہ انہیں ان کی ضروریات کے مطابق چیزیں دیتے ہیں، جو نرخ میں بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ عموماً وہ لوگ ان دوکانداروں سے نمک - کپڑا - گڑ - کھل اور تیل وغیرہ خریدتے ہیں - جو ان کو بہت مہنگے نرخوں سے فروخت کئے جاتے ہیں - اِسی طرح ان لوگوں کو دونوں طرف سے یعنی کہ خرید و فروخت میں لوٹا جاتا ہے - اِس کا اثر ان کی اقتصادی حالت پر پڑتا ہے - جس وجہ سے وہ دن بدن پُرسان حال ہوکر مقروض کی زندگی بسر کرنے پر مجبور رہیں - ان دُوکانداروں اور بنیوں نے اِن غریب لوگوں کو لوٹ لوٹ کر بھرپور دُولت اکھٹی کرکے اپنی بڑی بڑی جائیدادیں

بنائیں اور بڑے عالیشان محل بنوائے۔ مگر ان کی حالت بدستور اپنے بزرگوں کی طرح پسماندہ ہی ہے۔ ترقی کی اِس روشنی میں یہ اپنی کمر سیدھی نہ کر سکے۔ ان کی اِقتصادی بدحالی کی تفصیل کا نقشہ دیکھ کر صدمہ پیدا ہوتا ہے کہ آج بھی قوم کا یہ طبقہ جس پر سارے سماج کا انحصار ہے۔ اپنی پرانی نسل در نسل چلی آرہی پسماندگی اور جہالت کی دلدل میں پھنسا سِسک رہا ہے جس کی تفصیل معلومات کے لئے مندرجہ ذیل ہے:۔

یہ تصور کیا گیا ہے کہ اگر ایک گوجر کنبہ جو پانچ ممبران پر مشتمل ہو۔ جس میں میاں۔ بیوی اور تین بچے ہوں اور ساتھ ایک کُتا بھی ہو اور جس کے پاس مندرجہ ذیل پشو ہیں۔ اِس کی تفصیل کا اقتصادی جائزہ لینے پر کچھ حقیقت سامنے آجاتی ہے:۔

نمبر شمار	جانوروں کی تفصیل	افراد	یونٹ
۱۔	دودھ دینے والی بھینیں	2	۱۰
2۔	بچھڑے	2	5
3۔	دودھ نہ دینے والی بھینس	2	۱۵
4۔	بیل	۱	5
5۔	گائے	۱	5
6۔	بھیڑ	3	3
7۔	بکری	4	4
8۔	خچر	۱	3
		16	45 یونٹ

لیکن یہ تصور ایک الگ کنبے کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ حقیقتاً چند کنبے ملکر ایک ڈیرے کی شکل میں اکھٹے رہتے ہیں۔ ایک ہی کلاّ بنا لیتے ہیں۔ اگر اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہاں 16 جانوروں میں سے صرف 2 بھینیں دودھ دینے والی اور 2 خشک بھینیں اور 2 عدد ان کے بچھڑے ہیں۔ وہاں دراصل 16 میں سے شاید 16 ہی بھینیں ہوں، جن میں آدھی دودھ دینے والی ہوں۔ گائے۔ بیل۔ بکری یا خچر ان گوجروں کے پاس تو اس مقدار میں ہو سکتی ہیں، جو مستقل رہائش پذیر ہوں۔ مگر گھومنے پھرنے والے گوجروں کے پاس ان کی مجموعی تعداد 2 یا 4 فیصدی سے زیادہ نہیں جو ان کے قافلے آنے جانے کے دوران دیکھی جا سکتی ہیں۔ ایک ڈیرے میں اوسطاً 10 بھینیں ہوتی ہیں، مگر بعض ڈیروں کے پاس پچاس پچاس بلکہ سینکڑوں کے قریب بھینیں ہوتی ہیں۔ ان میں گائے۔ بیل۔ بھیڑ۔ بکری۔ خچر کی شرح 2 یا 4 فیصدی تک ہی ہوتی ہے۔ البتہ کچھ گوجر چند مرغیاں اور ایک آدھ کتا بھی پال لیتے ہیں۔ اب اس کنبہ اور اس کے پشوؤں کے اخراجات کی تفصیل اندازے کے مطابق درج کی جاتی ہے، جو کہ مندرجہ ذیل ہے۔ کنبہ کے ایک فرد کا ایک ماہ کے راشن کے اخراجات کی تفصیل اندازً میں یوں ہے:۔

نمبر شمار	نام جنس	وزن	قیمت
1۔	مکی۔ ماہوار کھپت	30 کلو	30.00 روپے

نمبر شمار	نام جنس	وزن	قیمت
2 -	دالیں ۔ ماہوار کھپت	7 کلو	21.00 روپے
3 -	گڑ - " "	2 "	6.00 "
4 -	تیل - " "	1 "	10.00 "
5 -	مصالحجات " "	- -	10.00 "
6 -	متفرق " "	- -	19.00 "
			90.00

اس حساب کے مطابق پانچ افراد پر مشتمل کنبے کا ایک ماہ کا اندازاً خرچ جس میں ایک کتا بھی شامل ہے ۔ مندرجہ ذیل ہے :-

1 - میاں بیوی کا ایک ماہ کا خرچ = 2 × 90 = 180.00 روپے

2 - تین بچوں کا " " " " = (3 × 90)/2 = 135.00 "

3 - کتے کا ایک ماہ کا خرچ = - = 15.00

" 330.00

ایک سال کے خرچ کا میزان = 12 × 330 = 3960.00 "

اس انداز کے مطابق ایک گوجر کنبے کا ایک سال کا خرچ مبلغ 3900/- روپے کم از کم ہے ۔ اس کے بعد کنبے میں جو ضروری خرچ ہوتا ہے وہ جسم ڈھانپنے کے لئے کپڑے کا ہے جو کہ از حد ضروری ہے ۔ یہ الگ خاص ڈیزائین و سلائی کے اور رنگ عموماً کالا رنگ یا چھینٹ دار)

کا کپڑا عموماً استعمال کرتے ہیں۔ یہ تصور کیا جاتا ہے کہ ان کا ایک لباس جس میں قمیض۔ پاجامہ۔ پگڑی اور شلوار شامل ہے، چھ ماہ کے لئے کافی ہوگا۔ ان کپڑوں کے خرچ کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

نمبر شمار	لمبائی	قیمت
۱۔	قمیض۔ 3½ میٹر	10.00 روپے
2۔	پاجامہ۔ 2½ میٹر	15.00 "
3۔	پگڑی۔ 4 میٹر	20.00 "
4۔	سلارہ - -	30.00 "
5۔	سلائی -	7.00 "
		70.00 روپے

ایک سال کا خرچ اس حساب سے جو ہوتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے۔ 70 × 2 = 140.00 روپے۔

خرچ کی یہ تفصیل کنبے کے ایک فرد کی ہے۔ کنبے کے پانچ افراد پر اس انداز سے کتنا خرچ ہوگا۔ اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:۔

۱۔ میاں بیوی کا ایک سال کا خرچ = 140.00 روپے

2۔ تین بچوں کا " " " = $\frac{3 \times 140}{2}$ (70) = 210.00 روپے

350.00 روپے

گوجر کنبے کو اپنی زندگی کے لئے ضروری اور کم از کم جو خرچ کرنا پڑتا ہے۔ اس کی تفصیل کے معائنہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خرچ اتنا کم ہے کہ اس

سے اور کم خرچ ہونیکی گنجائش نہیں ہے۔ اِس کے علاوہ اِس کنبے کا پشتوؤں پر جو خرچ ہوتا ہے، وہ علیحدہ ہے۔ جس کی تفصیل مُندرجہ ذیل ہے۔

نمبر شمار۔

1۔ 2 دودھ دینے والی بھینسوں کے لئے، 6 ماہ کیلئے =	720.00 روپے
2۔ چرائی ٹیکس وغیرہ۔	50.00 "
3۔ نمک وغیرہ۔	10.00 "
4۔ گھاس خرید سردی کے دنوں میں	1220.00 "
	2000.00 روپے

ایک سال میں خرچ کا انداز ہے۔ اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

1۔ کُنبے کا خرچ	3960.00 روپے
2۔ کپڑے کا خرچ	350.00 "
3۔ پشتوؤں کا خرچ	2000.00 "
	6310.00 روپے

خرچ کے علاوہ پشتو پالن اور زمینداری کے پیشہ سے ان کو جو آمدنی ہوتی ہے۔ اس تفصیل کا بھی جائزہ لینا ازبس ضروری ہے۔ عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ بھینس زیادہ سے زیادہ ایک سال تک دودھ دیتی ہے۔ عموماً بھینس 7 یا 8 ماہ دودھ دیتی ہے۔ اگر بیاہی نہ جائے تو سال تک دے سکتی ہے۔ اِس کے بعد وہ دودھ دینا بند کر دیتی ہے۔

RekhtaDownload.com

دس ماہ کے بعد وہ بچھڑے کو جنم دیتی ہے ۔ اِن حالات میں اِس قدرتی اصول کے تحت بھینس کم سے کم چھ ماہ دودھ نہیں دیتی ۔ یہ بھی اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ایک بھینس دن میں اوسطاً چھ لیٹر دودھ دیتی ہے ۔ جو کہ لگ بھگ پانچ ماہ تک دودھ دیتی رہتی ہے ۔ اس کے بعد دودھ کی پیداوار میں کمی ہوتی جاتی ہے اور بعد ازاں وہ دن میں صرف ایک ہی بار دودھ دیتی ہے ۔ یہ سلسلہ آخر کے قریباً دو ماہ تک رہتا ہے ۔ دوسری طرف جنم لینے والا بچھڑا دن میں دو لیٹر دودھ چوس لیتا ہے ۔ اِس سے زیادہ ، گوجر چوسنے ہی نہیں دیتے ۔ چونکہ وہ بچھڑے کی صحیح پرورش کی اہمیت کو نہیں سمجھتے ، خاص کر تو نر بچھڑوں کو تقریباً بھوکا ہی رکھتے ہیں ۔ اگر مر بھی جائے تو پرواہ نہیں کرتے ۔ اس وجہ سے گوجروں کی بھینسوں کی کوالٹی جو پہلے بہت بڑھیا ہوتی تھی ، آہستہ آہستہ گھٹتی جا رہی ہے ۔ یہ بچھڑا اپنی بھینس کا دودھ لگ بھگ پانچ ماہ تک چوستا رہتا ہے ۔ باقی کا دودھ جو قوم کو حاصل ہوتا ہے وہ چار لیٹر فی دن کے حساب سے حاصل ہوتا ہے ۔ گویا کہ اِس اندازے کے مطابق ایک بھینس اوسطاً چار لیٹر دودھ فی دن کے حساب سے سال بھر دیتی ہے ۔ مگر ایک لیٹر خالص دودھ میں سے ۶۵ گرام مکھن حاصل ہوتا ہے جو ۱ : 3 کے تناسب سے ہوتا ہے ۔ مکھن کے اِن تین حصوں میں دو حصے گھی پیدا ہوتا ہے اور ایک حصہ لسی اور پانی کی شکل میں ضائع جاتا ہے ۔ گویا کہ ایک سال میں لگ بھگ 6.5 کلو گھی حاصل ہوتا ہے ، جس کی قیمت 1300/- روپیہ

تصور کی جاتی ہے ۔ دو درس بھینس کے مطابق کل قیمت گھی سے اس کنبے کو حاصل ہوتی ہے وہ مبلغ ۔/2600 روپے تصور کی جاتی ہے ۔ ان کو کچھ دودھ فروخت کرنے سے بھی آمدنی ہوتی ہے ۔ وہ لگ بھگ 700 روپے تک اوسطاً ہوتی ہے ۔ اس کے ساتھ کچھ کنبوں کو اپنی کاشتکاری زمین سے بھی کچھ آمدنی ہوتی ہے ۔ کہیں جگہ ان کی زمین اونچے پہاڑوں پر ہے جہاں یہ سال میں ایک ہی فصل حاصل کرتے ہیں ۔ میدانی علاقوں میں بھی ان کے کچھ کنبوں کے پاس زمین ہوتی ہے ۔ وہاں یہ سال میں دوبار فصل حاصل کرتے ہیں ۔ یہ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ ایک ایکڑ سے کم از کم ۲ کوئنٹل گندم ۔ ۲ کوئنٹل مکی اور پانچ کوئنٹل گھاس پیدا ہونے کا اندازہ ہے ۔ اگر ایک کنبے کے پاس اوسطاً تین ایکڑ زمین کاشتکاری کے لئے تصور کی جائے ، تو اس اندازے سے لگ بھگ مبلغ ۔/2000 روپے حاصل ہوتے ہیں ۔ اس کے ساتھ جب انہیں اپنی کھیتی باڑی کے کام سے فرصت ملتی ہے ، تو یہ مزدوری بھی کرتے ہیں ۔ اس مزدوری کی آمدنی کا بھی اندازہ لگایا جاتا ہے ، جو کہ لگ بھگ مبلغ ۔/400 روپے تک ہونے کا ہے ۔ ان کے پاس بھیڑ ، بکری بھی ہوتی ہے ، جیسے کہ اوپر ذکر آیا ہے ۔ بھیڑوں کی اون جو یہ لوگ حاصل کرتے ہیں ۔ اس میں سے کچھ اون یہ لوگ فروخت کر دیتے ہیں اور کچھ اون اپنی ضرورت کے مطابق گرم کپڑا بنانے کے کام میں استعمال کرتے ہیں ۔ اس طرح اس متفرق آمدنی میں سے انہیں لگ بھگ مبلغ ۔/100 روپے کا فائدہ سال میں ہوتا ہے ۔

جس آمدنی کی پوری تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

۱۔ مکھن و گھی سے آمدنی .... 2600.00 روپے

2۔ دودھ فروخت سے آمدنی .... 700.00 "

3۔ کھیتی باڑی " " .... 2000.00 "

۴۔ مزدوری " " .... 400.00 "

5۔ اون و متفرق آمدنی .... 100.00 "

5800.00 روپے

ایک سال میں کل آمدنی مبلغ -/5800 روپے اور کل خرچ مبلغ (چھ ہزار تین سو دس) -/6310 روپے ہے۔ گھاٹا جو برداشت کرنا پڑتا ہے، وہ مبلغ -/510 روپے ہے۔ اِس خرچ کا انداز بہت کم کرکے دکھایا گیا ہے۔ مگر حقیقت میں خرچ اِس سے کئی گنا زیادہ اِنہیں برداشت کرنا پڑتا ہے۔ بیاہ شادیوں اور مقدموں پر جو ان کا خرچ ہوتا ہے وہ بے بہا ہوتا ہے۔ جس سے ان کی زندگی قابل رحم ہوتی ہے۔ اگر اِن کا کوئی جانور مر جائے، جو عموماً ہوتا ہے تو یہ اور بھی زیر بار ہو جاتے ہیں۔ آمدنی کا کوئی اور ذرائع نہ ہونے سے یہ ہمیشہ قرض کے بوجھ سے دبے رہتے ہیں۔ لہٰذا جب اِن کی اقتصادی حالت کا جائزہ لیا جاتا ہے اور ان کی آمدنی و خرچ کا مقابلہ کیا جاتا ہے، تو یہ آمدنی پیدا کرنے کے لئے جتنی محنت و مشقت کرتے ہیں۔ اس کے مطابق اِنہیں فائدہ حاصل نہیں ہوتا جسکی وجہ سے ہر کنبہ اپنے خرچ کو پورا کرنے کے لئے ساہوکاروں کے چنگل میں پھنسا رہتا ہے۔ اسی لئے وہ نسل در نسل

ان کے رحم وکرم پر رہنے کے لئے مجبور ہیں۔ وہ مَن چاہے سوُد پر انہیں قرض دیتے ہیں اور یہ قرض پھر نسل در نسل چلتا ہے۔ قرض کے اِس بوجھ سے وہ اپنی کمر سیدھی نہیں کرسکتے۔ اِن کی بدحالی کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اتفاقیہ جرمانے، ٹیکس - اور رشوت، یہ سب اخراجات اِن کی اقتصادی بدحالی میں اضافہ کرتے ہیں۔ جس وجہ سے وہ اپنا سر اس قرض سے اونچا نہیں کرسکتے۔ اسی طرح وہ اور ان کی اولاد قرض کے اس بوجھ سے موت کی آغوش میں جاکر نجات حاصل کرتے ہیں۔

اِن کی اقتصادی حالت میں تبدیلی لانے کے لئے تاکہ یہ قوم کا ایک فائدہ مند جزو بن سکیں سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ ان کی آبادی میں یا اس علاقے میں کواپریٹیو لائین پر سنٹر قائم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ضرورت کی اشیاء وہ واجب نرخوں پر حاصل کرسکیں اور فروخت بھی کرسکیں تاکہ ساہوکاروں اور دکانداروں کی لوٹ کا شکار نہ ہوسکیں۔ اس کے علاوہ اِن کو بڑھیا قسم کے پشو مہیا کرنا بھی ضروری ہے تاکہ یہ لوگ اپنی پیداوار میں اضافہ کرسکیں۔ اس کے علاوہ چرانہ کی سہولیت بھی انہیں ملنی چاہئے تاکہ یہ لوگ اپنے پشوؤں کو ضرورت کے مطابق چارا مہیا کرسکیں۔ اس کے ساتھ ان میں فلاح و بہبود کی اشد ضرورت ہے تاکہ یہ لوگ اپنی ذمہ داری محسوس کرسکیں۔

رہائش زندگی و طرزِ لباس

جیسے کہ اُوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی حالت دِگرگوں ہے۔ سائنس کی اِس روشنی میں جہاں ان کے ہمسایہ لوگ ترقی کی دوڑ میں بڑھ بڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ وہاں یہ لوگ جہالت اور پسماندگی کی وجہ سے پچھڑے ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ تہذیب سے دُور شہروں اور آبادی سے بہت دُور دراز پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ دُوسرے مقامی لوگوں سے میل جول نہ ہونے سے ان میں احساسِ کمتری جاگزیں ہے۔ اس لئے ترقی کی دوڑ میں اپنے ہمسایہ لوگوں کے ساتھ شانہ بہ شانہ آگے نہ بڑھ سکے۔ علاوہ ازیں تعلیم میں بھی یہ لوگ پوری طرح سے مستفید نہیں ہیں۔ جدید طرز کے مطابق پشو پالن اور کھیتی باڑی کے پیشہ سے بھی یہ لوگ باخبر نہ ہونے سے پورا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ اِس طرح ان کی زندگی کا طریقِ کار پسماندہ ہے۔ رہنے سہنے کا جو ڈھنگ ہے، وہ صدیوں پرانا ہے۔ جہالت میں پھنسے ہونے کی وجہ سے ان میں اِتنی اُمنگ یا جذبہ نہیں ہے، کہ وہ ہمسایوں کی طرح اپنی رہائش کے ڈھنگ میں تبدیلی پیدا کر سکیں۔ اِن کے رہنے کے مکان مِٹی کے بنے ہوئے کچے قسم کے ہوتے ہیں، جسے عام طور سے "کوٹھا" کہا جاتا ہے۔ یہ کوٹھے عموماً ٹوٹے پھوٹے اور خستہ حال ہوتے ہیں۔ اس کوٹھے میں ایک لمبا سا کمرہ ہوتا ہے، جو لگ بھگ ۳۰ فٹ

لمبا اور تقریباً ۱۰ فٹ چوڑا ہوتا ہے۔ کہیں کہیں اس سے بڑا کمرہ بھی ہوتا ہے جس کی لمبائی، چوڑائی تقریباً ۲۵ فٹ اور پندرہ فٹ ہوتی ہے۔ اس کی اونچائی عموماً سات فٹ ہوتی ہے۔ اس کوٹھے میں صرف ایک ہی دروازہ ہوتا ہے، جو اکثر لگ بھگ پانچ فٹ اونچا ہوتا ہے، جو کمرے میں داخل ہونے اور باہر آنے کے لیے واحد یہی ایک دروازہ ہوتا ہے۔ اس کوٹھے میں روشندان اور کھڑکی نہیں ہوتی۔ اس کی دیواریں پتھر اور مٹی کی بنی ہوئی ہوتی ہے اور چھت بھی گھاس پھوس کی کچی ہی بنی ہوئی ہوتی ہے۔ موٹی موٹی لکڑی کے اوپر درختوں کے جھاڑ اور شاخیں رکھ کر اور مٹی ڈال کر چھت تیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح کے غیر مستقل اور عارضی کوٹھے تیار کر جہاں کہیں روشندان اور کھڑکی نہیں ہوتی، یہ لوگ رہتے ہیں۔ اس کوٹھے میں وہ اپنے ساتھ ہی پشوؤں کو بھی باندھتے ہیں۔ اس کے ایک طرف مٹی اور گوبر کی لائنیں لگا کر رسوئی بنائی ہوئی ہوتی ہے، جہاں چولھا سلگتا ہوا ہوتا ہے۔ دھواں ہر وقت اس میں موجود رہتا ہے۔ جہاں آسانی سے سانس لینا مشکل ہوتا ہے۔ کتا برتنوں کو چاٹ رہا ہوتا ہے اور پشو اپنی جگہ اسی کمرے میں جگالی کر رہے ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی بھیڑ، بکری بندھی ہوئی ہوتی ہے۔ جو رات بھر مے مے کرتی رہتی ہیں اور مینگنیں بھی کرتی ہوتی ہیں۔ گویا کہ اسی ایک ٹوٹے پھوٹے کمرے میں ان کی اپنی رہائش۔ ان کے پشو۔ بھیڑ بکری اور رسوئی وغیرہ ہوتی ہے۔ وہ ان مویشیوں کے ساتھ ہی سوتے ہیں۔ اسی جگہ بیماری

RekhtaDownload.com

میں مبتلا ان کا ایک دو بزرگ اپنے چھوٹے بچوں کو لئے پھٹے چیتھڑوں کے لحاف میں لپٹے ہوئے کھانس رہا ہوتا ہے۔ بارش کے پانی سے ٹپکتے رہنے سے گیلے سیلابی بند کمرے میں پشوؤں کے گوبر اور سانس کی بدبو میں رات بھر ان کے سانس لینے پر کئی کمرے زہر آلودہ ہوا ان میں سرایت کرتی رہتی ہے۔ جو ان کی صحت پر غیر موافق اثر پیدا کرتی ہے۔ اس طرح گھر کا مالک بمعہ عیال غربت اور جہالت سے پریشان رہتا ہے۔ تنگدستی میں اس کی عورت کسی اُمید میں دن کاٹتی ہے۔ یہ ایک حیران کن بات ہے کہ اس طرح کی حیوانیت سوز بدبو اور گندگی میں جہاں پشوؤں کے گوبر اور پیشاب سے ایک ناقص اور گندا ماحول پیدا ہونے والے اُفان میں وہ اور ان کے معصوم بچے کیسے رات بسر کرتے ہیں۔ جو انسانی زندگی کے بعید ہے۔ خدا ہی جانتا ہے۔ اِن کی زندگی جس بدترین معیار سے بسر ہوتی ہے۔ عام اِنسان چاہے کتنا بھی افلاس کی تنگدستی میں مبتلا بھی کیوں نہ ہو۔ اس طرح کی زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ مگر وہ اس مضر صحت ماحول میں بسر کرنے کے لئے مجبور ہے۔ سردی اور برفیلی ہوا میں یہاں نہ ہی صاف اور تازہ ہوا ہے اور نہ ہی روشنی۔ چونکہ سورج کی کرنیں کمرے کے اندر داخل نہیں ہو سکتی۔ وہ کس طرح گذارہ کرتے ہیں۔ اِن دردناک حالات کو قلمبند کرنا مشکل ہے۔ موجودہ دور فلاح و بہبود کے کام ہونے کی وجہ سے ان میں اچھے رہن سہن کے لئے کچھ احساس پیدا ہوا ہے۔ اب ان میں خواہش پیدا ہو گئی

ہے کہ وہ نئے طریق کار سے اپنی زندگی بسر کریں۔ اپنی اِسں خواہش کو پورا کرنے کے لئے وہ لکڑی کی تلاش میں ادھر اُدھر متعلقہ آفیسروں کی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ گرمیوں میں جب وہ اپنے پشوؤں کے لئے گھاس کی تلاش میں پہاڑوں کی اُونچی چوٹیوں کی چراگاہوں پر جاتے ہیں۔ تو اِس وقت ان کے کوٹھے سردیوں کی برفباری کی وجہ سے شکستہ اور ٹوٹ پھوٹ جاتے ہیں۔ تو اِس صورت میں ان کی مرمت اور اِس میں کچھ تبدیلی کرنے کے لئے وہ لکڑی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر اِن کی کوشش سب رائیگاں جاتی ہے اور انہیں اپنی ضرورت کے مطابق لکڑی دستیاب نہیں ہوتی۔ بدقسمتی سے یہ لوگ خانہ بدوش ہیں۔ گرمیوں اور سردیوں میں پہاڑوں اور میدانوں میں اپنے پشوؤں کی گھاس کے لئے گھومتے رہتے ہیں۔ ان کی مستقل رہائش نہ ہونے کی وجہ سے نزدیک کے جنگل میں ان کے حقوق نہیں ہیں۔ جس وجہ سے وہ اپنے ہمسایہ زمینداروں کی طرح جنگل سے لکڑی حاصل نہیں کرسکتے۔ جیسے تیسے کرکے بہت مشکلات کے بعد انہیں جو بھی لکڑی حاصل ہوتی ہے۔ وہ تجارتی نرخ پر دی جاتی ہے۔ جو عام گوجر کی خرید قوت سے باہر ہوتی ہے۔ اِس وجہ سے وہ اپنے کوٹھے اچھے ڈھنگ سے تعمیر کرتے ہیں اکثر کامیاب نہیں ہوتے اور بادمہس رہتے ہیں۔

یہ امر افسوسناک ہے کہ محکمہ جنگلات جو ان کو کوٹھے کی مرمت کرنے یا نئے کوٹھے کی تعمیر کے لئے لکڑی دینے کا ذمہ دار ہے۔ وہ اکثر

اسس اِنسانی ذِمہ داری کی سوچ سے بالاتر ہے۔ ان کا محکمانہ قانون اِنہیں اجازت نہیں دیتا کہ قابل رحم حالت کی بنیاد پر اِن کو لکڑی مہیا کرنے کی مدد کی جا سکے۔ لہٰذا وہ مجبور رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ جنگل میں گری پڑی اور سڑی لکڑی کو بھی نہیں اُٹھا سکتے۔ حالانکہ وہ لکڑی محکمہ کے کسی کام کی نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس مسلہ کا سرکاری سطح پر جائیزہ لینا اَز بس ضروری ہے تاکہ یہ لوگ برتن داری نرخوں پر اپنے ہمسائے لوگوں کی طرح جنگلات کی سہولیات حاصل کر سکیں۔ کیونکہ محکمہ جنگلات کا یہ بھی خیال ہے کہ گوجر جو پشتو پالن کر دودھ۔ گھی فروخت کرتے ہیں۔ وہ ایک کاروباری طبقہ ہے۔ لہٰذا جنگلات کی جِن چیزوں کی اِنہیں ضرورت ہے۔ وہ سب تجارتی نرخوں پر مہیا کی جائیں۔ اور زمیندار چونکہ کاروباری طبقہ نہیں ہے۔ صرف کھیتی باڑی ہی کرتے ہیں۔ لہٰذا انہیں جنگلات کی پیداوار کی جِن چیزوں کی ضرورت ہو، وہ سب سستے نرخوں پر مہیا کی جائیں۔ اس خیال کے ساتھ وہ گوجروں کو کاروباری طبقہ اور زمینداروں کو غیر کاروباری و غیر تجارتی طبقہ سمجھ کر تجارتی اور گھریلو نرخوں پر وہ لکڑی اور دیگر چیزیں مہیا کرتے ہیں۔ جو کہ انصاف پر مبنی نہیں ہے کیونکہ ان کی روزمرہ کی زندگی سے یہ صاف عیاں ہے کہ زمینداروں نے کھیتی باڑی کے علاوہ پشتو پالن کے پیشہ کو بھی اختیار کیا ہوا ہے، جو ان کا ایک اہم پیشہ ہے۔ لہٰذا انہوں نے گائے۔ بھینس پالنے کے پیشہ کو بھی اختیار کیا ہے اور اس کی پیداوار دودھ و گھی فروخت کر کے اپنا گذارہ کرتے

ہیں ۔ ان کا دارمدار کھیتی باڑی اور مویشیوں کے پیشہ پر ہی ہے اور ان دونوں قسم کے کاروبار سے وہ بہت فائدہ اُٹھاتے ہیں ۔ اس صورت میں انہیں یہ کہا جائے کہ یہ کاروباری طبقہ نہیں ہے اور انہیں سستے نرخوں پر جنگلات کی چیزیں مہیا ہونی چاہیئے ۔ اصول پر مبنی نہیں ہے ۔ اب انہوں نے گوجروں کی طرح اس پیشہ کو (پیشو پالن) کاروبار کے نکتہ نگاہ سے اختیار کیا ہے ۔ اور اس کی خوب تجارت کرتے ہیں اور فائدہ اُٹھاتے ہیں ۔ قانون میں ترمیم کرنا سرکار کا کام ہے ۔ کیونکہ اگر کسی گوجر کے پاس کاشتکاری کی زمین نہیں ہے اور مستقل رہائش پذیر نہیں ہے ۔ خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرتا ہے ۔ مگر نسل در نسل وہ ریاست کے جنگلوں اور میدانوں میں اپنے پشوؤں کو چرانہ کرتا ہے تو اس صورت میں انہیں یہ سہولیات مہیا ہونا چاہیئے ۔ کہ وہ اس جنگل اور میدان میں جہاں وہ اپنے پشوؤں کو چرانہ کراتا ہے ۔ اسے نزدیک کے جنگلات سے لکڑی دیگر چیزیں برتن داری نرخوں پر مہیا کی جائیں تاکہ وہ بھی تسکین کا سانس لے سکے ۔ یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ خانہ بدوشی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے وہ سب سہولیات حاصل کرنے سے محروم رہتا ہے ۔ جوان کے ہمسائے حاصل کرتے ہیں ۔ مگر تہذیب کی اس روشنی میں اس طرح کے سوتیلی ماں کا سلوک زیادہ دیر جاری رہنا مناسب نہیں ۔

اگر محکمہ جنگلات کے اس اصول کو بھی تسلیم کیا جائے کہ زمینداروں کو اس لئے جنگلات کی پیداوار برتن داری نرخ پر مہیا کی جاتی ہے کہ وہ

تجارتی طبقہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ تب بھی ان کا یہ دعوےٰ دلیل کی کسی کسوٹی پر پورا نہیں اترتا۔ کیونکہ زمیندار کے پاس کاشتکاری کے لئے جو زمین ہے۔ اس سے بھی وہ نفع حاصل کرتا ہے۔ زمین کی پیداوار کو وہ اپنی نزدیک کی مارکیٹ میں فروخت کرکے نفع حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی اس کاروباری طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسے گوجر۔ لہٰذا اِن گوجروں کو بھی اس دلیل کے مطابق برتن واری نرخوں پر جنگلات کی پیداوار حاصل کرنے کی رعایت ہونی چاہئے۔ اس کے علاوہ جن زمین داروں کے پاس زمینیں نہیں ہیں اور جو زمینداروں کے کاشتکار ہیں۔ جو ان کے مویشی چراتے ہیں انہیں بھی کاروباری طبقہ تصور نہیں کیا جانا چاہیئے۔ نیز انہیں برتن واری نرخوں پر جنگلات کی پیداوار دستیاب ہونی چاہیئے۔ کاشتکاری زمین کے معیار پر سہولیات فراہم نہیں ہونے چاہیئے۔ لہٰذا ایسے گوجر کاشتکاروں، جن کے پاس زمین نہیں ہے، ان کو جنگلات کی پیداوار رعایتی نرخوں پر حاصل ہونا چاہیئے۔ ورنہ گوجروں اور زمینداروں کے ساتھ امتیازی سلوک کی وجہ سے اور حسد پیدا ہونے کے امکانات ہیں۔

گوجر جو ریاست میں خانہ بدوش زندگی بسر کرتے ہیں، وہ بھی ریاستی باشندے ہیں۔ ریاست میں پیڑھی دَر پیڑھی رہائش پذیر ہونے کی وجہ سے وہ قانونی طور سے حق بجانب ہیں کہ وہ بھی ان تمام مراعتوں اور سہولیات کو حاصل کریں جو اُن کے ہمسایہ کو فراہم ہوں۔ پچھلی کئی

صدیوں سے جو ریاست میں اپنے پشتوؤں کو چرانے کے لئے اِدھر اُدھر گھومتے ہیں۔ اِنہیں اِن سہولیات اور رعایتوں سے محروم کرنا جو اِن کے ہمسایوں کو حاصل ہیں۔ کہاں تک جائز ہے؟ محکمہ جنگلات کا یہ طریقہ کار سماجی اور قانونی نکتہ نگاہ سے انصاف پر مبنی نہیں ہے۔ اِس سے دیہاتی آبادی کے ریاستی باشندے دو حصوں میں منقسم ہوتے ہیں۔ ایک حصہ کو سہولیات اور رعایت حاصل ہوتی ہے اور دوسرا حصہ اپنی حالات میں رعایت اور سہولیات سے محروم رہتا ہے۔ جس سے آپس میں حسد اور اختلافات پیدا ہوتے ہیں۔

سردیوں کے شروع ہونے پر جب گوجر دھاروں سے نیچے میدانوں کی طرف آتے ہیں تو اس وقت یہ اپنے کوٹھے وغیرہ خدا کے بھروسہ چھوڑ کر ہی وہاں سے رخصت ہوتے ہیں۔ مگر اگلے موسم میں جب بکروال اپنے بھیڑ بکریوں کے ریوڑ لے کر ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ اور جنگلوں کو عبور کرتے ہوئے ملک بوس پہاڑوں اور جنگلوں کی ڈھلوانوں پر بھیڑ بکریوں کو چرانا کرتے ہیں تو راستے میں یہ لوگ عموماً گوجروں کے کوٹھوں کو برباد بھی کرتے جاتے ہیں۔ ان کے کوٹھوں سے لکڑی نکال کر جلانے کے کام میں لاتے ہیں اور ان کی چراگاہ کو بھی برباد کرتے ہیں۔ اِس کے بعد جب گوجر اپنے مال مویشیوں کے ساتھ اپنی چراگاہ پر جاتے ہیں، تو وہ اِس حالت کو دیکھ کر پریشان اور دکھی ہوتے ہیں۔ اِس صورت میں محکمہ جنگلات پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ ان بکروالوں کو پرمٹ

جاری کرتے وقت اس بات کا کنٹرول کرے جس سے ان کا تحفظ ہو سکے۔ اور ساتھ ہی ان کے نقصان کو پورا کیا جا سکے۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ جنگلات اور پہاڑوں کی چوٹیوں کی چراگاہوں تک جانے والے راستے ٹوٹے پھوٹے اور قابلِ سفر نہیں ہوتے۔ اس پگڈنڈی پر جب ان کے پشو جاتے ہیں، تو راستہ خراب ہونے کی وجہ سے انہیں کافی نقصان اُٹھانا پڑتا ہے، کیونکہ کئی پشوؤں کی ٹانگیں ٹوٹ جاتی ہیں اور انہیں چوٹ وغیرہ آنے سے بہت پریشانی اُٹھانی پڑتی ہے۔ کئی جانور مر بھی جاتے ہیں۔ ہر سال انہیں نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ جنگلات کا علاقہ ہونے کی وجہ سے یہ ان پر ذمہ داری آتی ہے کہ آنے جانے کے راستے قابلِ سفر بنائیں جائیں۔ ان کی فلاح و بہبود کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ ان کے آنے جانے کے راستے قابلِ سفر بنائے جائیں۔ نیز ان کے آنے جانے کے راستے جو ان کی چراگاہوں اور پانی کو جاتے ہیں، ان کی مرمت کیجائے۔ تاکہ انہیں ہر سال جو نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ اس سے اُنہیں نجات حاصل ہو سکے۔ ان کو اس وقت بھی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ جب ان کے پشوؤں کو پینے کا پانی پوری مقدار میں نہیں ملتا۔ اس وقت وہ اپنے پشو براستہ محفوظ (ایزاد) جنگلات طے کر جاتے ہیں۔ اس وقت ان کو کافی نقصان اُٹھانا پڑتا ہے۔ ایک طرف پشوؤں کی زندگی ان کے سامنے ہے۔ ان کی پرورش کے لئے وقت پر چارہ کھلانے اور پانی پلانے کے لئے خاص احتیاط کی ضرورت ہے اور فکر ہے کہ دوسری

طرف محکمہ کی طرف سے مصنوعی طور پیدا کی گئی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اِس کے لئے انہیں کافی جرمانے برداشت کرنے پڑتے ہیں کیونکہ یہ اپنے پستوؤں کو ایزاد جنگلات میں نہیں لے جا سکتے۔ خلاف ورزی ہونے پر انہیں بہت رقم جرمانے کے طور پر ادا کرنی پڑتی ہے، جو کہ ان کے لئے پریشانی کا باعث بنی رہتی ہے۔

محکمہ جنگلات جب اِن سے گرمیوں کے موسم کا چرانہ کا پورا ٹیکس وصول کرتا ہے تو اس کے عوض انہیں پورا چرانہ اور پینے کیلئے پانی میسر کرنا لازمی ہے اور ساتھ ہی آنے جانے کے راستے بھی ٹھیک ہونے چاہیئے۔ تاکہ زندگی کی جائز سہولیات انہیں میسر ہو سکیں۔ اِس کے علاوہ جب یہ لوگ پہاڑوں کی چراگاہوں سے واپس نیچے میدانوں میں آتے ہیں۔ تو ان کے لئے رہنے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہوتا اور انہیں دربدر اِدھر اُدھر بھٹکنا پڑتا ہے۔ ان کی اِس پریشانی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ اشد ضروری ہے کہ نزدیک کے قصبہ میں ایک سرائے کا انتظام ہو، جہاں وہ سفر کے دوران کچھ دِنوں کیلئے با آرام ضرورت کے مطابق قیام کر سکیں۔

عموماً یہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کی پریشانی کا ایک باعث یہ بھی ہوتا ہے کہ یہ لوگ اپنی کاشتکاری کی زمینوں سے جہاں وہ پچھلے کئی برسوں سے کاشت کرتے ہیں بے دخل کئے جاتے ہیں۔ کئی مرتبہ انہیں مارپیٹ کر وہاں سے نکال دیتے ہیں۔ غریب اور مسکین ہونے کی وجہ سے ان

کی مدد کیلئے کوئی نہیں آتا۔ دوسری طرف زمیندار اتنے ہوشیار و طاقتور ہوتے ہیں کہ انہوں نے بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے اور اثر و رسوخ سے گرداوری کا اندراج اپنے نام کروا لیا ہوتا ہے۔ اس ثبوت کی بنیاد پر وہ ان غریب کاشتکاروں کو اپنی زمین سے بیدخل کر دیتے ہیں۔ اس مسئلہ کا چونکہ گوجروں کی اقتصادی زندگی کے ساتھ تعلق ہے۔ لہذا ایسا پختہ انتظام ہونا چاہیے کہ وہ لوگ دھوکا دہی سے ان غریب و کمزور گوجروں کو ان کی کاشتکاری زمینوں سے بیدخل نہ کر سکیں۔ اگر بر وقت اس پر غور نہ کیا گیا، تو حالات دِگرگوں ہونے کا اندیشہ ہے۔ ان میں بڑھ رہی پریشانی کسی بھی وقت لاوا کی شکل اختیار کر سکتی ہے جس سے صورت حال بگڑنے کا خدشہ ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی گوجر نوتوڑ حاصل کرنے کے لئے درخواست پیش کرتا ہے، تو وہ نامنظور کی جاتی ہے۔ کیونکہ اس کے خلاف علاقہ کے زمیندار اپنے اعتراضات پیش کرتے ہیں کہ وہ رقبہ ان کے پشتوں کی چراگاہ ہونے کی وجہ سے اسے نوتوڑ نہیں دیا جانا چاہیئے۔ اعتراضات کرنے والوں کی اکثریت ہونے کی وجہ سے نیز ان کا غلبہ ہونے کی وجہ سے گوجر کاشتکاری کیلئے رقبہ منظور کرانے میں محروم رہتا ہے۔ ان حالات کے پیش نظر ایک طرف تو وہ زمینداروں کی بے ایمانی کا شکار ہو کر زمینوں سے بیدخل کئے جاتے ہیں۔ دوسری طرف اگر وہ کاشت کیلئے نوتوڑ حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو اس میں وہ رکاوٹ پیدا کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں یہ

RekhtaDownload.com

مصیبت زدہ لوگ کہاں جائیں۔ اِن سے دودھ، گھی حاصل کرنے کے لئے وہ مشتاق ہیں۔ مگر اس کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ اِن سے رواداری اور پُرخلوص سلوک بھی روا رکھا جائے۔ اِن کو اپنی اقتصادیات میں شامل کرنے کے لئے اِن کے ساتھ ہمدردی اور برادرانہ رویہ سلوک سے پیش آنا چاہیئے تاکہ اس تعاون سے ملک ترقی کی طرف اور بھی آگے گامزن ہو سکے۔

زمانہ کی روش سے آج ہم ان کی زندگی میں تھوڑی بہت جو تبدیلی دیکھتے ہیں، وہ دیکھ کر ہم یہ اندازہ نہیں لگا سکتے کہ سب گوجروں کی حالت اسی طرح یکساں ہے، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ شہروں کے نزدیک رہنے والے گوجروں میں شہری ملاوٹ کی جھلک ہمیں دکھائی دیتی ہے۔ وہ جب اپنی پیداوار یعنی کہ دودھ، گھی وغیرہ اپنے نزدیک کی مارکیٹ میں فروخت کرنے کے لئے آتے ہیں، تو اِن میں سے کچھ عموماً بسوں ٹیکسیوں اور ٹانگوں وغیرہ میں آتے ہیں۔ آنے جانے کی اِن سہولیات کا اُنہوں نے فائدہ اُٹھانا شروع کیا ہے۔ اس کے علاوہ ان لوگوں میں جو شہر کے نزدیک رہتے ہیں، بعض گوجر عورتوں و مردوں نے گھڑیاں پہننا شروع کیں اور کچھ ریڈیو اور ٹرانسسٹر وغیرہ اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اپنی زندگیوں کو خوشنما اور پُر رونق بنانے کے لئے تیز شوق کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا کہ ان کی زندگی میں اقتصادی حالت کی بہتری میں کچھ نمایاں تبدیلی پیدا ہونا کبھی

شروع ہوئی ہے۔ مگر جہاں آنے جانے کے راستے آسان نہیں ہیں، یا ٹوٹے پھوٹے ہیں۔ وہاں اب بھی کئی کلومیٹر پیدل سفر کر کے شہر میں دودھ گھی فروخت کرنے کے لئے آتے ہیں۔ اِن لوگوں کیلئے ایسی چیزوں کا استعمال کرنا مناسب نہیں ہے۔ دُور دراز رہنے۔ آنے جانے کے راستے آسان نہ ہونے اور سرکار کی طرف سے کوئی انتظام نہ ہونے کی وجہ سے نئی روشنی کی زندگی سے اب تک بہت دُور ہیں، جس وجہ سے یہ کہا جا سکتا ہے، کہ کچھ کنبوں کی اقتصادی حالت بہتر دیکھ کر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سب گوجروں کی حالت اسی طرح کی ہی خوشحال ہوگی۔ البتہ یہ امر باعث مسرت ہے کہ سرکار بھی اپنے فرائض کے تئیں بیدار ہوئی ہے۔ اب اس نے اِن کے فلاح و بہبود کے لئے ایک منڈی کا بھی قیام کیا ہے، جو سٹیٹ منڈ کے درجے کا ہے، جس کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کے فلاح و بہبود کے کام کو پوری تندہی اور جانفشانی سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کا انتظام کرے۔ اِسی طرح ریاست کی سرکار اب ان کی بہبودی کے لئے پوری طرح بیدار ہے۔ جمہوریت کے طرز طریق کے مُطابق اِن کے ہر شعبہ کو ترقی یافتہ کرنے کے لئے طرح طرح کی سکیمیں چالو کر کے اِنہیں قوم کا ایک عظیم اور قیمتی سرمایہ بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔

طرزِ لباس

اِن کا لباس مقامی لوگوں کی طرح کا نہیں ہے۔ وہ ایک

نرالی قسم کا ہے، جو ماضی کی کسی تاریخ سے وابستہ ہے۔ ملک میں جہاں بھی گوجر ہیں گویا کہ راجستھان سے لیکر پنجاب اور ہماچل و کشمیر کے پہاڑوں یہاں تک کہ نیپال کے پہاڑوں کی ترائی میں جہاں جہاں بھی ان کی بستیاں ہیں۔ اِن سب گوجروں کا لباس ایک جیسا ہی ہے۔ اِن کا لباس عموماً کالے۔ نیلے رنگ کا ہوتا ہے۔ گوجر موٹے قسم کے کالے۔ نیلے اور ہرے رنگ کے کپڑوں کی قمیض اور شلوار پہنتے ہیں۔ بعض گوجر اسی رنگ میں تہمد اور پاجامہ بھی پہنتے ہیں۔ کندھے پر کالے رنگ کا موٹے قسم کے کپڑے کا سلارہ جو تقریباً ½ ۱ گز چوڑا اور ½ ۲ گز لمبا ہوتا ہے، رکھتے ہیں۔ بارش۔ آندھی و ہوا میں یہ اس سلارے کا اِستعمال کرتے ہیں۔ ان کے کپڑے عموماً بھاری ہوتے ہیں۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو کپڑا موٹے قسم کا ہوتا ہے اور لمبے و کھلے کپڑے پہننے کی وجہ سے قمیض شلوار میں کپڑا زیادہ اِستعمال ہونے سے ان کا لباس بھاری ہو جاتا ہے۔ اِس کے علاوہ نوجوان گوجر اپنی قمیضوں پر کشیدہ کاری کرا کر پہنتے ہیں جو دیگر مقامی لوگوں کے لباس سے اِک دم جُدا ہوتا ہے۔ یہ لوگ جو جوتا پہنتے ہیں، وہ بھی بہت بھاری ہوتے ہیں۔ اِن کے جوتوں کے نیچے موٹے موٹے کیل لگے ہوئے ہوتے ہیں۔ عام آدمی اِس طرح کے جوتے پہن کر چل نہیں سکتا۔ چونکہ اِن کی زندگی پیدل چلنے میں گذرتی ہے جنگلوں اور دُور دراز پہاڑوں کے دشوار گذار ندی نالوں اور پتھریلی

راستوں کو عبور کرتے ہوئے اپنے جائے مقام کو پہنچتے ہیں۔ اس لئے اپنی مسافت کے مطابق کچے چمڑے کے موٹے جوتے تیار کرا کر استعمال کرتے ہیں۔ تاکہ اس کا استعمال دیرپا ہو سکے۔ گوجروں کے کپڑے بھی اپنے قسم کے نرالے ہوتے ہیں وہ بھی اس رنگ کے یعنی کالے۔ نیلے۔ ہرے رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ ان کی قمیض کھلی۔ ڈھیلی ڈھالی ہوتی ہے اور کشیدہ کاری کے کام سے بنائی جاتی ہے۔ ان کے زیور جو یہ استعمال کرتے ہیں، بہت بھاری ہوتے ہیں۔ ان کا لباس بھی گوجروں کی طرح ڈھیلا ڈھالا اور بھاری ہوتا ہے۔ اپنے کپڑوں کو یہ لوگ صاف کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ رنگ دار کپڑے ہونے کی وجہ سے وہ بہت عرصہ تک اپنے کپڑوں کو صاف نہیں کرتے ہیں۔

جو گوجر شہر کے نزدیک رہتے ہیں، وہ کچھ شہری زندگی سے اثر انداز ہوئے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے لباس میں کچھ تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ کیونکہ اب کچھ گوجروں نے مقامی لوگوں کی طرح لباس پہننا شروع کیا ہے۔ مگر جن گوجروں نے ملازمت اختیار کی ہے، وہ تو بالکل شہری بود و باش سے رہتے ہیں۔ غرضیکہ ان کے قدیمی لباس، اِن کے سماج میں ایک عزت کا مقام رکھتے ہیں۔

RekhtaDownload.com

(IX) تعلیمی پہلو

یہ تو بتایا جا چکا ہے کہ یہ لوگ سالہا سال سے جہالت۔ پسماندگی اور خانہ بدوش زندگی کی دلدل میں پڑے سسک رہے ہیں۔ گرمیوں کے موسم میں پہاڑی کی چوٹیوں پر اور جنگلات میں اپنے پشوؤں کی چرانے کے لئے' لے کر جانا اور چھ ماہ کے بعد سردیوں میں میدانوں کی طرف واپس آنا۔ ان کی زندگی کا یہ سلسلہ پشت در پشت سے لگاتار چلا آرہا ہے۔ اس طرح کی غیر مستقل زندگی میں ان کے لئے بڑا مشکل ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ابتدا' تعلیم سے پرورکرا سکیں۔ جو گوجر خانہ بدوش نہیں ہیں' ان کی آبادی بھی اتنی دور ہے کہ ان کے بچے تعلیم حاصل کرنے کے لئے وہاں پونہچ سکیں۔ لہٰذا سرکار کی تعلیم سے تعلق رکھنے والی سہولیات اور مراعات سے عام طور پر یہ فیضیاب نہیں ہوتے۔ خود بھی یہ لوگ ان پڑھ ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ تعلیم کی خوبیوں سے قاصر ہیں۔ اس لئے ان کے لئے یہ کچھ اہم نہیں ہے کہ پڑھائی ان کے بچوں کے لئے فایدہ مند ہے۔ ان خیالات کے پیش نظر وہ اپنے بچوں کو تعلیم دینے کی طرف دھیان نہیں دیتے۔ اس کے ساتھ ناخواندہ ہونے کا سبب یہ لوگ پرانے بوسیدہ رسم و رواج کو عقیدہ کے طور سے مانتے ہیں۔ چاہے وہ زمانہ حال میں فایدہ مند ہو یا نہ ہو۔ اپنی مذہبی تعلیم دینے کی ان کی خواہش رہتی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر

ان کو اسلامی تعلیم سے پرور کیا جاتا ہے، تو یہ ان کی زندگی کے لیے کافی ہے۔ اپنے اس خیال کے مطابق یہ اپنے بچوں کو زیادہ تر مذہبی تعلیم حاصل کرنے کے لیے راغب کرتے ہیں۔ حال ہی میں درسی تعلیم کی خوبیوں کے متعلق آگاہ کیے جانے پر ان گوجروں نے اپنے بچے جہاں انہیں بسہولیت ملتی ہے، سکول داخل کرانا شروع کیے ہیں۔ تاکہ کم سے کم وہ اپنے علاقہ کی پٹواری کی رپورٹ۔ علاقہ سرپنچ اور جنگلات کے گارڈ وغیرہ کے کاغذات پڑھنے کے لائق ہو سکیں۔

ان حالات کے پیش منظر ریاست کی سرکار نے اس طرف اپنی توجہ مبذول کی ہے۔ ابتدائی تعلیم کے لیے ان میں موبائیل سکول جاری کرنے کا انتظام کیا ہے تاکہ ان کے ساتھ ساتھ یہ سکول چالو رہیں اور ان کے بچے ان سکولوں سے تعلیم حاصل کر سکیں۔ اس میدان میں یہ لوگ بہت پچھڑے ہوئے ہیں۔ ہماچل میں جو گوجر ہیں۔ ان کی حالت اس شعبہ میں بہت ناگفتہ بہ ہے۔ اس کی نسبت ریاست جموں وکشمیر میں ان کی حالت وہاں سے اچھی ہے۔ ترقی کی دوڑ میں انہوں نے نمایاں نہیں، تو کم از کم کچھ تو حصہ لیا ہے۔ اس ریاست میں گوجروں کا ایک اہم رول رہا ہے۔ اس کی اکائی کو منظم کرنے کے لیے ان لوگوں کا اہم اور بہت بڑا کردار رہا ہے جس وجہ سے حکومت میں ان کا ایک اہم دخل رہا۔ مہاراجہ ہری سنگھ کے زمانہ تک بھی ان لوگوں کی اہم پوزیشن تھی۔ اس زمانہ میں ان کے ممبروں کو اسمبلی میں نمائندگی

حاصل تھی، جبکہ دوسرے طبقہ کے لوگ پسماندگی سے دوچار ہو رہے تھے۔ اس وقت معمولی تناسب سے انہوں نے سرکاری ملازمتوں میں جگہ حاصل کی تھی۔ سرکار کے ہر محکمہ میں اس طبقہ کا کوئی نہ کوئی کسی اسامی پر فائز تھا۔ مگر اس رفتار سے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ لوگ تعلیم یافتہ ہیں۔ ان لوگوں کو تعلیم یافتہ اس صورت میں کہا جا سکتا ہے، جب تعلیم کا تناسب فیصد تسلی بخش ہو۔ اگر ایک ہزار میں ان کا تناسب ایک یا دو ہو، تو اس صورت میں وہ طبقہ تعلیم یافتہ نہیں کہا جا سکتا۔ اب تعلیمی میدان میں انہیں باشعور کرنے کے لیے سرکاری طور سے انہیں کافی تحفظ دیا ہے۔ موبائیل سکول چالو کرنے کے علاوہ ان کے بچوں کو وظیفہ جات تقسیم کئے جاتے ہیں۔ ان کے لئے ہوسٹل بھی کھولے گئے ہیں۔ تاکہ دور دراز سے آنے والے گوجر لڑکے ان ہوسٹلوں میں رہ کر تعلیم حاصل کر سکیں۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے مقررہ میعاد کی حد معاف کر کے داخلہ کی رقم کم کی گئی ہے۔ اس طرح نوکریوں میں بھی انہیں معیار قابلیت کی رعایت دیکر چانس دیا جاتا ہے۔ نیز ہر محکمہ میں ہر گریڈ کی پوسٹوں کے لئے ان کے بچوں کیلئے نشستیں بھی مخصوص ہیں۔ بلکہ ٹریننگ کے میدان میں بھی کیا وہ میڈیکل یعنی ڈاکٹری ٹریننگ ہے یا انجینئرنگ، ویٹرنری یا اگریکلچر وغیرہ سبھی شعبوں کی ٹریننگ کے لئے ان کے لڑکوں کے لئے سیٹوں کا کوٹہ مخصوص (ریزرو) رکھا گیا ہے اور ان کے معیار داخلہ بھی بہت کم

رکھا گیا ہے۔ نتیجہ کے طور پر سرکار کے ہر محکمہ میں چھوٹی اسامی سے لے کر بڑی اسامی تک انہیں چانس دیا گیا ہے۔ ان سب رعایات سے اب ان میں آہستہ آہستہ احساس کمتری کم ہونا شروع ہوا ہے۔

مگر ابھی اس میدان میں کام کرنے کی بہت ضرورت ہے اگرچہ ان میں اپنے بچوں کو سکول میں بھیجنے کا احساس پیدا ہوا ہے۔ پہلے وہ سمجھتے تھے کہ سکول میں اپنے بچوں کو داخل کرانا صرف وقت ضائع کرنا ہی ہے۔ ان کے بچے تعلیم حاصل کر کے کیا کریں گے کیونکہ وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ پشوؤں کو چرانا۔ ان کے لیے گھاس لانا۔ دودھ کو بازار لے جانا، گویا کہ پشو پالن کے ہر کام کو سرانجام دینا زیادہ اہم ہے بنسبت پڑھائی کے۔ جو کوئی ضروری نہیں ہے۔ اپنے اس نکتہ نگاہ سے وہ اپنے بچوں کو سکول داخل کرانے سے گریز کرتے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ پڑھائی لکھائی سے بچہ گھر کا کام کرنے کے لائق نہیں رہتا اور ان کے لئے سارا کام بذات خود کرنا کافی مشکل ہے۔ اس ضمن میں کچھ کام ہونے سے ان لوگوں نے تعلیم کی اہمیت سمجھی ہے اور بچوں کو پڑھانا شروع کیا ہے مگر پھر بھی ان میں پورا احساس پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ لڑکیوں کو تعلیم دینے میں وہ اب بھی گریز کرتے ہیں۔ ان کو سکول نہ بھیجنے کی جب وجوہات ان سے دریافت کی جاتی ہیں، تو ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ لڑکیوں کو پڑھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ انہیں تعلیم دینا اچھا نہیں ہے۔ اب ان میں یہ احساس پیدا کرنے کی بھی کوشش کی جا رہی

ہے۔ کہ وہ لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں کو بھی سکول میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے داخل کریں۔ ان کو تعلیم کے سلسلہ میں ہر طرح کی رعایت اور سہولیات مہیا کی گئی ہیں جو دوسرے بچوں کو فراہم نہیں ہے۔ ان کے ہر شعبہ کی ترقی کے لئے پانچسالہ منصوبہ میں بھاری رقومات منظور کی جاتی ہیں۔ اس مقررہ نشانہ کو حاصل کرنے کے لئے ہر محکمہ تندہی اور جانفشانی سے کام کرتا ہے۔ پانچویں پانچسالہ منصوبہ میں دو کروڑ نوے لاکھ چوبیس ہزار روپے ان کی بہبودی کے لئے مخصوص کئے گئے تھے۔ مگر اس میں صرف ایک کروڑ 43 لاکھ 55 ہزار روپے ہی خرچ کئے جا سکے۔ نشانہ کے مطابق یہ رقم متعلقہ محکموں سے خرچ نہیں ہو سکا۔ ان سے پورا خرچ کیوں نہ ہو سکا۔ اس کے متعلق کوشش کرنے پر بھی تفصیل فراہم نہ ہو سکی۔ یہ معلومات اس لئے بھی ضروری ہیں تاکہ اگلے سال اس پریشانی اور رکاوٹ کو جو ان کے سامنے آتی ہیں، دور کیا جا سکے اور ایسا موثر ڈھنگ سوچا جا سکے کہ منظور شدہ بجٹ ان کے فلاح و بہبود میں مکمل طور پر صرف ہو سکے۔ اس کے علاوہ اس امر کا جائزہ حاصل کرنا بھی اشد ضروری ہے کہ جو بھی خرچ جس ضمن میں ہوا ہے۔ اس کی اصلیت سے رونما ہونے والے ٹھوس نتایج کا اندازہ کیا ہے۔ جو ابھی جائزہ طلب ہے۔ اگر ان اخراجات سے تسلی بخش نتایج رونما نہیں ہوئے، تو ان کی وجوہات بھی منظر عام پر آنا ضروری ہے تاکہ پالیسی

یں تبدیلی کی جائے۔ مثال کے طور پر ان میں جو موبائیل سکول کھولے
گئے ہیں، وہ کہاں تک کامیاب ہوئے اور ان لوگوں نے ان سکولوں
سے کتنا فائدہ اُٹھایا ہے یا جو ان میں وظائف تقسیم کئے جاتے ہیں کیا
وہ طریقہ کار تسلی بخش ہے۔ انہیں پورا فائدہ کیا پہنچا ہے۔ جو ان
یں کتابیں اور سٹیشنری وغیرہ تقسیم کی جاتی ہے۔ اس انتظام سے
کیا بچے ضمنی طور فیضیاب ہوتے ہیں۔

چونکہ یہ سب خرچ الگ الگ متعلقہ محکموں کے ذریعہ ہوتے
ہیں۔ ان کا خرچ کرنے کا ڈھنگ بھی سرکاری طرز کا ہوتا ہے۔ ریاست
یں کوئی غیر سرکاری نہیں ہے۔ جو اس ذمہ داری کو سنبھالے۔ ان
حالات کے پیش نظر گوجر بکروال کے وائس چیرمین بیگم عبداللہ نے
بورڈ کی ایک میٹنگ میں ممبران کو خبردار کیا تھا۔ کہ وہ اس اصلیت
سے انکار نہیں کر سکتے کہ ان کے حالات سدھارنے کے لئے کوئی
توجہ ان کی بہبودی کی طرف مبذول نہیں ہوئی اور بورڈ کے ممبروں نے
بھی اس سمت میں اپنی ذمہ داری کو محسوس نہیں کیا۔ اپنے خیالات کے
اظہار میں انہوں نے اس طرف اشارہ بھی دیا کہ کسی ممبر نے بھی اب تک
سی پروگرام کے پورا نہ ہونے کی وجوہات سرکار کے نوٹس میں لانے کی
تکلیف گوارہ نہیں کی۔ ان کی اس ہدایت پر کس ممبر نے غور کیا، یہ
با وثوق نہیں کہا جا سکتا۔ مگر یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ پوری تندہی
ور جانفشانی سے کسی نے دلچسپی نہیں دکھائی، جس سے یہ اندازہ لگایا

جا سکے کہ بہبود کے کاموں کو سر انجام دینے اور اس میں نمایاں کامیابی حاصل کرنے کے لیئے کسی نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہو تاکہ مختلف محکمہ جات باخبر رہیں۔ گوجروں کے لئے مخصوص رقومات ضایع نہ ہونے دیں۔ اور ساتھ ہی جن مقاصد کیلیئے فنڈز مہیا کیئے گئے ہو، صرف ان کاموں کیلیئے ہی صرف کریں۔ نہ ہی گوجروں کے لیئے مقررہ شدہ بجٹ ایک جگہ یا ایک کام سے اُٹھاکر دوسرے مختلف یا اسی سے ملتے جلتے کام کے لیئے منتقل کر سکیں۔ اس بات کو یقینی بنانا اشد ضروری ہے کہ گوجروں کی فلاح و بہبود کیلیئے الاٹ شدہ رقم صرف بہتری و بہبودی کیلیئے لگائی جائے اور ان کے لیئے جس جس کام کیلیئے خرچ کرنا مطلوب ہو صرف اُن کاموں کیلیئے ہی رقم خرچ ہو تاکہ معصوم اور غریب گوجروں کے نام پر فنڈز محض کاغذات اور فائیلوں پر ہی نہ رہیں بلکہ اِن سے عملی اور ٹھوس فائیدہ حاصل ہو سکے۔ یہی وجہ تھی کہ بیگم صاحبہ نے ان ممبر صاحبان کو اپنے فرض منصبی پر اپنی توجہ مبذول کرانے کا قیمتی مشورہ دیا۔ ان میں خدمت گذاری کے جذبات سے کام کرنے کے لیئے سرکاری تعاون میں ایک غیر سرکار ایجنسی کے قیام ہونے پر سرکار کا کام آسان ہو سکتا ہے۔ کیونکہ سرکاری محکموں کو اتنی فرصت و دلچسپی نہیں ہے کہ وہ ان کاموں اور سکیموں میں پوری دلچسپی لیں۔ کیونکہ ان کے پاس اتنے زیادہ کام ہوتے ہیں اور اتنی زیادہ ذمہ داریاں ہوتی ہیں کہ ان کاموں میں انہیں فرصت نہیں ملتی کہ وہ اس

طرف پوری جانفشانی سے اپنی توجہ مبذول کر سکیں۔ یہ بھروسہ تو ان پر کیا جا سکتا ہے، جن کے ذمہ یہ کام ہو اور جنہیں اِن کاموں میں پوری لگن اور دلچسپی ہو، جن کے جذبات ان خیالات سے لبریز ہوں۔ کہ سرکار نے جو ذمہ داریاں ان پر سونپی ہیں۔ انہیں وقت کے مطابق پورا کرنا ہے اور ان میں سوشل کاموں میں دلچسپی ہو۔ اس ضمن میں اگر پڑتال کی جائے تو ہمیں جو اعداد و شمار ملیں گے۔ اس سے ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ تعلیم کے پرچار، موبائیل سکولوں اور وظیفہ وغیرہ تقسیم کرنے سے تعلیم میں کتنا فیصدی اضافہ ہوا ہے۔ برخلاف اس کے اگر ہم اس اندھیرے میں روپیہ خرچ کرتے رہے، تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کس صدی میں یہ طبقہ تعلیم یافتہ ہو کر شانہ بشانہ قوم کے ساتھ گامزن ہوگا۔ لہذا اس ضمن میں سنجیدگی سے غور وخوض کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

(x) ریاست جموں و کشمیر کے گوجر

وقت کی رفتار اپنی چال سے گامزن ہوتی ہے اور زمانہ بدلتا رہتا ہے - ایک جیسا وقت نہ رہنے سے صورت حال میں نمایاں تبدیلی ظہور پذیر ہوتی رہتی ہے - اسی طرح زمانہ کے انقلاب میں گوجر سلطنت جس نے ملک کی سرحدوں کی حفاظت کی تھی، کا شیرازہ افغان اور مغل حملوں سے بکھرنے لگا - وہ اپنے مراکز سے اُٹھ کر ملک کے شمال و مشرق کی طرف نئی اُمیدوں کے ساتھ بڑھنے لگے - محل کھنڈرات میں تبدیل ہونے لگے - ان کے حملوں کی تاب نہ لاکر وہ اپنے آبائی گھروں، حُب الوطن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ کر کسی دُوسری جگہ کے لئے ہجرت کرنے لگے - وہ بے سروسامانی کی حالت میں کسی اُمید کی تلاش میں ملک کے شمال مشرق کی طرف کارواں کی شکل میں آنے لگے گویا کہ محمود غزنوی کے حملوں سے لیکر اکبر کے زمانہ تک جہاں گوجر صدیوں سے آباد تھے اِدھر آنے لگے - یہ حملے اتنے برق تھے کہ انہیں اپنے آبائی علاقوں کو خیرباد کہہ کر ہمیشہ کے لئے ہجرت کرکے آنا پڑا - اسی طرح یہ لوگ گیارویں صدی سے لے کر انیسویں صدی کے وسط تک اِدھر اُدھر بھٹکتے رہے۔

انہوں نے اپنے روزگار کی تلاش میں نئے پیشہ کو اختیار کیا جس کا پہلے ان کی زندگی میں دخل نہیں تھا - اپنے بال و بچوں کے گذارہ کے لئے انہوں نے پشو پالن اور دودھ و گھی کو فروخت کرنے کے

روزگار کو اختیار کیا۔ اِن دِنوں جنگل بہت تھے۔ چراگاہیں اور گھاس بافراط تھیں۔ چارا باآسانی فراہم ہو جاتا تھا۔ اس کے ساتھ کئی گوجر کنبوں نے کھیتی باڑی کے لئے کچھ زمین بھی حاصل کیں تاکہ زمینداری سے بھی آمدنی پیدا کی جا سکے۔ مگر بیشتر گوجر کاشتکاری کے لئے زمین حاصل نہ کر سکے۔ انہوں نے پشوپالن پیشہ پر ہی اکتفا کیا۔ اسی طرح وہ دھیرے دھیرے ضرورت کے مطابق آگے آگے بڑھتے گئے اور جگہ جگہ اپنی بستیاں آباد کرتے چلے گئے۔ مدھیہ پردیش اور راجستھان سے گذر کر انہوں نے گنگا اور جمنا کے جنگلوں میں اپنی اپنی بستیوں کو آباد کیا۔ اس کے بعد وہ ڈیرہ دون، ٹیڑھی گڑھوال، چکروتہ اور دارجلنگ کے پہاڑوں اور جنگلوں میں آباد ہوتے ہوئے نیپال کی ترائی تک چلے گئے۔ ان میں سے کچھ کنبے دہلی سے گذر کر پنجاب میں آباد ہوئے۔ وہاں سے وہ ریاست چمبہ، منڈی اور شملہ جو آجکل ہماچل پردیش ہے کے دور دراز پہاڑوں اور گھنے جنگلوں میں اپنی بستیاں آباد کیں۔ ان میں سے کچھ کنبے پاکستان کے راولپنڈی دہرارہ کی پہاڑیوں سے ہوتے ہوئے اور کچھ مغل روڈ کے راستے اور کئی ایک کنبے سیالکوٹ و پٹھانکوٹ کے راستے ریاست جموں و کشمیر کے جنگلوں اور پہاڑوں میں گھاس کی تلاش میں آنے لگے۔

مردم شماری ۱۹۶۱ء کی رپورٹ میں گوجروں کے متعلق کچھ ذکر ملتا ہے کہ راجپوتانہ، گجرات، کاٹھیاواڑ سے گوجر قبیلوں کے کچھ حصے ریاست کی سرحدوں پر وارد ہوئے۔ اور کچھ پنجاب کی طرف چلے گئے۔ وہاں سے چلتے چلتے آگے شمال کی جانب کی پہاڑیوں سے ہو کر گلگت تک چلے گئے۔ اس طرح سے

RektaDownload.com

ریاست میں گوجر دو شاخوں میں وارد ہوئے۔ ریاسی اور راجوری کے گوجر اب بھی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کے آباؤ واجداد ضلع گجرات کے رہنے والے تھے اور اپنا تعلق سیالکوٹ، گوجرانوالا، گجرات، جہلم اور راولپنڈی علاقوں کے گوجر فرقوں سے ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی ہجرت کی ایک وجہ یہ بھی بتلائی جاتی ہے کہ اس قدیم زمانے میں وہ علاقے ایک خوفناک قحط کا شکار ہوئے تھے۔ قحط کی اس قیامت سے بچنے کے لئے ان لوگوں نے اپنے آبائی گھروں سے ہجرت کرنا شروع کی۔ ان میں سے کچھ لوگ مغل بادشاہوں کے ساتھ براستہ مغل روڈ داخل ہوئے، جو گجرات، نوشہرہ، راجوری۔ بہرام گلہ۔ شوپیاں ہوکر سرینگر جاتا تھا۔ اسی وجہ سے اس راستہ کے ساتھ ساتھ گوجروں کی بستیاں آباد ہیں جو کئی نسلوں سے وہاں پر رہائش پذیر ہیں۔

سترہویں صدی عیسوی کے دوران پونچھ میں گوجر بڑے بڑے عہدوں پر فائز تھے۔ پونچھ کے حکمرانوں کے وزیروں اور درباریوں میں گوجر بھی تھے۔ اسی طرح ریاست کے دوسرے علاقوں میں بھی گوجر بڑے بڑے تعلقہ دار اور راجے تھے۔ ان کا سرکاری کام کاج میں اہم دخل تھا۔ 1797ء میں وزیر سانگو گوجر جس کا پورا نام روح اللہ خان سانگو تھا، نے پونچھ کے علاقہ میں حکومت کی تھی۔ جو 1837ء تک حکومت کرتا رہا۔ جب اس نے راجہ خان بہادر پونچھ کے وزیر کے طور پر طاقت سنبھالی۔ اس کے بعد راجہ کے کسی سازش کے تحت ہلاک ہوجانے کے بعد 1797ء میں اس کا لڑکا حکومت کی گدی پر تاج نشین ہوا، تو وزیر سانگو

RekhtaDownload.com

سربراہ کے طور پر اور وزیر کے طور پر حکومت کرنے لگا۔ اس نے گوجر قوم کی عزت کو دوبالا کیا۔ یہ وزیر ایک بہادر حکمران تھا۔ ان کی بہادری کی داستانیں آج بھی اس علاقہ کے لوگوں سے سُنی جاتی ہیں۔ جس نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دانت کھٹے کئے تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ وہ حکمران تھا جس نے انگریزوں کو بھی پریشان کیا تھا۔ اس کے یکے بعد دیگرے تین برقی حملوں کو جو اس نے کشمیر فتح کرنے کے لئے کئے تھے، ناکام بنایا اور اسے تینوں بار ذلت سے پسپا ہونا پڑا۔ وہ کشمیر فتح کرنے کی اپنی آخری خواہش پوری نہ کر سکا۔

وزیر سانگو گوجر کتنا بہادر تھا۔ تواریخی واقعیات سے پتہ چلتا ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ والئے لاہور جس کا ان دنوں پنجاب میں طوطی بولتا تھا، نے اپنی سلطنت کی سرحدوں کو بڑھانے کی کشور گیری میں اس نے پونچھ پر دوسرا حملہ 1813ء میں کیا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ راستے کی سب روکاوٹوں کو چیرتا ہوا کشمیر کی وادی میں فاتح کی حیثیت سے مغل بادشاہوں کی طرح داخل ہو۔ اس خیال سے وہ اپنی بھاری فوج و لشکر کے ساتھ براستہ مغل روڈ لاہور سے روانہ ہو کر گجرات۔ بھمبر۔ روتہاس سے ہوتا ہوا براستہ نوشہرہ، چنگس راجوری پہنچا۔ یہاں ہمالیہ کے پہاڑوں کے بیچ پہنچ کر اسے اُمید ہوئی کہ وہ اسی طرح بنا روکاوٹ آگے بڑھتا ہوا وادی کشمیر میں داخل ہو جائے گا۔ چنانچہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ وہاں سے کوچ کر کے دشوار گذار پہاڑی راستوں اور ندی نالوں کو عبور کر کے ہمالیہ

کے فلک بوس، ٹھنڈے اور برفانی پہاڑوں کے درمیان بہرام گلہ پر اپنا پڑاؤ ڈالا۔ وہاں پیران کی فوج کا سامنا پھر وزیر سانگو گوجر کی فوج سے ہوا فوج کی آپس میں مٹھ بھیڑ ہوئی اور فیصلہ کُن لڑائی ہوئی۔ اس خونریز لڑائی میں مہاراجہ کو لاامثال نقصان برداشت کرنا پڑا۔ ان سنسان اور ویران وخوفناک پہاڑوں، جہاں انسانی ضرورت کی کسی چیز کا دستیاب ہونا ناممکن تھا۔ اس صورت میں مہاراجہ رنجیت سنگھ اس طرف آنے کے اپنے فیصلے کے متعلق پشیچاتاپ کرنے لگا۔ اور آخر میں وہ مایوس ہوکر لاہور واپس پہنچنے کی فکر میں واپس بھاگا۔ اس طرح اسے بری طرح شکست کھاکر واپس جانا پڑا۔

مہاراجہ کو اپنی شکست پر بڑا دُکھ ہوا۔ من ہی من میں اپنی بے عزتی کا بدلا لینے کے لئے وہ سوچنے لگا، وہ پورے جوش و خروش کے ساتھ کشمیر پر پھر حملہ کرنے کی تیاری کرنے لگا۔ اس کے حملوں سے ملک پر اچھا اثر نہیں پڑا تھا۔ لوگوں کی حالت خستہ ہونے لگی۔ بہت سے لوگ ان لڑائیوں میں مارے جا چکے تھے۔ مگر مہاراجہ اپنی شکست کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ کشمیر میں داخل ہونے کی تمنا کو لئے اس نے 1814ء میں اپنا تیسرا حملہ پھر سے پوری تیاری کے ساتھ کیا۔ راجوری پہنچ کر اپنی چھاونی ڈالی۔ مہاراجہ کو پورا یقین تھا کہ وہ اپنی کوٹ نیتی کی سازش کے تحت ہر طرح رشوت اور لالچ دے کر وزیر سانگو کو اپنے ساتھ ملاکر آگے بڑھنے میں کامیابی حاصل کرے گا۔ مگر مہاراجہ

کی مجوزہ سازش کامیاب نہ ہو سکی۔ مہاراجہ کسی قیمت پر بھی اسے خرید نہ سکا۔ مہاراجہ کا کوئی بھی لالچ اسے گمراہ نہ کر سکا۔ وہ جب اپنی سازش میں کامیاب نہ ہوا، تو مجبور ہو کر اس نے اپنی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ مگر گوجر بہادر سپاہیوں نے پہلے سے ہی پہاڑوں کی اوٹ میں اپنے مورچے بنائے ہوئے تھے۔ مہاراجہ کی فوج کو یہ علم نہ تھا کہ اس کی فوج نے کہاں اور کس کس سمت مورچے سنبھالے ہوئے ہیں۔ کیونکہ مہاراجہ کی فوج ان پہاڑی و جنگلی راستوں سے ناواقف تھی۔ سیدھے راستے سے جونہی مہاراجہ کی فوج نے آگے بڑھنے کی کوشش کی، تو اگلی پچھلی پہاڑیوں سے گولیوں اور توپوں کی آگ برسنے لگی۔ اس وقت برستی آگ میں مہاراجہ کی فوج کو بھاگنے کے لئے راستہ دکھائی نہ دیا۔ فوج میں بھگدڑ مچ گئی۔ نتیجہ کے طور پر مہاراجہ کی فوج اس آگ میں ختم ہو گئی۔ باقی جو مٹھی بھر سپاہی کسی طرح بچ گئے تھے، ان کو ساتھ لے کر مہاراجہ رنجیت سنگھ بڑی مشکل سے واپس لاہور پہنچا۔ اس طرح سے ظاہر ہوتا ہے کہ گوجروں نے ملک کی دوسری سرحدوں کے علاوہ کشمیر کی اکائی کے تحفظ کے لئے بھی بہت قربانیاں دی تھیں۔ ان کا ریاست کے نظم و نسق میں کافی دخل تھا۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ اور پونچھ کے راجہ موتی سنگھ کے زمانہ میں گوجروں کو خصوصی طور سے دربار میں عزت کی جگہ حاصل تھی۔ چوہدری سربلند خان ہکلا ئت کنہ لگاڑ، تحصیل اکھنور، چوہدری مہرالدین پسوال، سکنہ

جانی پور، جموں، مہاراجہ رنبیر سنگھ کے درباریوں میں سے خاص گوجر درباری تھے۔ اسی طرح پونچھ کے راجہ موتی سنگھ کے زمانہ میں گوجروں کو ایک اہم درجہ حاصل تھا۔ ان کے چوہدریوں کو دربار میں خاص طور سے مدعو کیا جاتا تھا۔ ان کے ولی عہد راجہ بلدیو کے زمانہ میں بھی ان کو تمام مراعات دینے کا سلسلہ جاری رہا تھا۔ ریاست میں اب بھی نمبردار، صوبیدار، اور جاگیردار بہت سے گوجر ہیں جو اپنے پرانے شاہی خاندانوں سے وابستہ ہیں۔

مگر جب سے انہوں نے اپنے حب الوطن سے ہجرت کی ہے اور اپنے آبائی گھروں کو چھوڑا ہے۔ تب سے ہی یہ لوگ پریشان حال دربدر بھٹک رہے ہیں۔ گھاس کی تلاش میں اپنے پشوؤں کے ساتھ کاروان کی صورت میں بال بچوں۔ گھر گرہستی سمیت کئی دنوں کے پیدل سفر کرنے کے بعد وہ پہاڑوں کی چوٹیوں پر پہنچتے ہیں۔ اسی طرح سردی شروع ہونے پر وہ واپس میدانوں میں آجاتے ہیں۔ ان کی اس طرح کی خانہ بدوش زندگی کا یہ سلسلہ عرصہ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ ان کے پاس رہنے کے لئے کوئی مستقل جگہ نہیں ہے، جو انسانی نسل کی تہذیب پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ ریاست کے ڈھلوانی، میدانی علاقوں اور پہاڑوں، جنگلوں میں یہ لوگ رہائش پذیر ہیں۔ ضلع اودھم پور، کٹھوعہ راجوری اور پونچھ میں ان کی بڑی بڑی بستیاں ہیں۔ سرینگر کے ہر ضلع میں بھی ان کی اپنی بستیاں ہیں۔ صوبہ جموں کے ضلع کٹھوعہ سے

RekhtaDownload.com

ضلع جموں کے جوڑیاں تک جتنا بھی زرخیز نہری رقبہ زیریں حصہ میں ہے۔
اس کے بیشتر حصہ میں ان لوگوں کی بستیاں ہیں۔ گرمیوں میں ضلع اودھمپور
کی دھاروں پر جس کی تفصیل ساتھ نقشہ میں دی گئی ہے، 350 گوجروں کے
کنبے جاتے ہیں جو کہ خانہ بدوش ہیں، جن کے پاس 10,900 بھینس و دیگر
پشتو ہیں۔ تحصیل گول گلاب گڑھ کی دھاروں پر 440 گوجروں کے کنبے
جاتے ہیں۔ جو کہ خانہ بدوش زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی
11,000 پشتو ہیں۔ ضلع کٹھوعہ کی بنی کی سرتھل دھاروں پر اسی علاقے کے
گوجر جاتے ہیں جو کہ قریباً 500 کنبے ہیں۔ منڈی دھار۔ ڈھگر دھار۔
مسندھ دھار۔ دھارو دودھار۔ بھمالی کالور دھار۔ کھیرا سلطان کی
دھاروں پر یہ لوگ عموماً جاتے ہیں۔ ضلع ڈوڈہ کی دھاروں پر بھی گوجر
اپنے پشتوؤں کو چرانے کے لئے لے کر جاتے ہیں۔ کشتوار کی ناگن شیرو
گیجن دھار۔ کھنڈر دھار۔ کاچری دھار۔ کنساولی دھار پر گوجر اپنے
پشتوؤں کو لے کر جاتے ہیں۔ ان دھاروں پر ان کے 400 کنبے جاتے
ہیں، جن کے پاس 12,000 پشتو ہیں، جو وہاں چرانہ کرتے ہیں۔ کشتواڑ
کے دچھن علاقے کے نانتھ نالہ، کیار نالہ اور چیچپا نالہ وغیرہ کی دھاروں
پر گوجر اپنے پشتوؤں کو لے کر جاتے ہیں، جو کہ لگ بھگ 630 کنبے ہیں۔
اور جن کے پاس 6700 پشتو ہیں۔ اسی طرح واڈون علاقہ کے بوگین
رنیار۔ ماجی کا نالہ اور راج بھترو کی دھاروں پر گوجر جاتے ہیں۔ ان
دھاروں پر گوجروں کے قریباً 540 کنبے ہیں، جن کے پاس 11,000 پشتو

ہیں، جو اپنے پسثوؤں کے ساتھ وہاں پر جاتے ہیں۔ بھدرواہ کے علاقے کی ڈھاروں پر لگ بھگ گوجروں کے ۱۱۰۰ کنبے ہیں، جن کے پاس 20500 پسثو ہیں اور ان ڈھاروں پر چرانہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ بجری باغ۔ مڈھوڈالا گوٹھ۔ دیلو چھتر باگھرا گوٹھ اور میرول گوٹھ کی ڈھاروں پر جاتے ہیں۔ رام بن کے علاقے میں گوجروں کے ۱۰۰ کنبے ڈھاروں پر جاتے ہیں۔ جن کے پاس لگ بھگ ۲۰۰۰ پسثو ہیں جو وہاں پر چرانہ کرتے ہیں۔ یہ سب خانہ بدوش ہیں اور ان میں سے بیشتر کنبے سردی کاٹنے کیلیے پنجاب کے پٹھانکوٹ۔ گورداسپور اور مکریاں کے علاقوں میں سردی کاٹنے کے لئے چلے جاتے ہیں۔ یہ لوگ گرمی کا موسم شروع ہونے پر لدھا ڈھار۔ سناسر۔ شب گڑھ۔ سیوج۔ تنگ ڈھار۔ سیکری۔ بھلو۔ گدھ۔ بھدرواہ اور کشتواڑ کے جنگلوں اور پہاڑوں کی اونچی اونچی چوٹیوں کی چراگاہوں پر چلے جاتے ہیں۔ جو صوبہ جموں میں ہیں۔ وادی سرینگر کے ہر ضلع میں یہ لوگ کسی نہ کسی جگہ پر بسے ہوتے ہیں۔ کنگن۔ گاندربل۔ وادی لدر، سونہ مرگ اور بڈگام ان کی کافی آبادی ہے۔ یہاں پر بابا لاروی کا مشہور نقرہ بھی ہے، جو ان کا مشہور و مقدس مقام ہے۔ جو وادی کشمیر میں گوجر ہیں یا جو گوجر براستہ مغل روڈ وادی میں وارد ہوتے ہیں، وہ صوبہ سرینگر کے ضلعوں کی مختلف چراگاہوں میں جاتے ہیں، جیسے کہ ضلع کپواڑہ (بارہ مولہ) کی چراگاہوں مثلاً بدن ڈوری۔ عبداللہ کا پتھرا۔ کچھل۔ بڑی بہک لیس والی۔ اینچھا۔ دروڑ۔ بیلن۔ چھڑی مہک۔

ریاڑ والی میں گوجر جاتے ہیں۔ تحصیل ٹنگمرگ میں پیر پنچال پہاڑ، جن میں سے چند مشہور چراگاہیں ہیں، جو دھتواس۔ گوردوان۔ پندان۔ بہن نالا۔ بکڑ پتھرا۔ کھلن مرگ۔ کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی طرح ضلع اننت ناگ کی تحصیل میں (شوپیاں) میں پیر گی مرگ۔ اپلا آباد کی سرائے۔ کائر کھل گماڈر۔ دوب جن۔ ساتھری پائیں۔ ساتھری بالے۔ جیبی مرگ۔ ہنت کھوڑ۔ ہست بنج۔ روپڑی۔ نن سر۔ راہ ہندا۔ ڈیلی مرگ۔ جیجی ناڑ۔ نام ناڑ۔ چراگاہیں ہیں۔ جہاں گوجر اپنے مال مویشیوں کو لے کر جاتے ہیں۔ جو گوجر پہلگام جاتے ہیں وہ پنڈربل۔ مائی پل۔ برجل کوٹ۔ مستان مرگ۔ جگ دلوا۔ دوول۔ آرو۔ گنڈ پتھری۔ تومیاں۔ فرش لون۔ نگ بنٹی۔ شیش ناگ۔ راجہ رئیس۔ چراگاہوں میں اپنے پشو لے جاتے ہیں اور وہاں سے وہ اونچے پہاڑوں کی دھاروں پر مٹائین۔ سوکھا نالہ۔ نہر نالہ۔ پُشکی۔ کبر ناڑی۔ جسم مرگ۔ پائیں ترنی۔ شری امرناتھ۔ بٹ کوکن۔ کھیر نالہ اور گومری کی چراگاہوں میں بھی جاتے ہیں۔

یہ کس قدر دُکھ کی بات ہے کہ جو قوم ترقی کی چوٹی پر جھوم رہی تھی۔ آج ان کی حالت دِگرگوں اور خستہ حال ہے اور ان کے فلاح و بہبود کے لئے آج ہم فکرمند ہیں۔ ان کی بہبودی کے لیے کئی طرح کے پروگرام آج غور طلب ہیں۔ اِن کی خانہ بدوش زندگی کی لعنت کو ختم کرنے۔ انہیں مقررہ تناسب کے مطابق چرانہ مہیا کرنا اور اِن کے ضروری حقوق۔ ان کے پشوؤں کی نسل سدھار۔ تعلیم اور ان کو نئے

سرے سے روزگار مہیا کرنے پر غور کیا جارہا ہے اگرچہ پیشو پالن اور دودھ گھی فروخت کرنا، اب اِن کا خاندانی پیشہ بن گیا ہے۔

ریاست جموں وکشمیر میں گوجروں کی آبادی لگ بھگ ۱۲ لاکھ کے قریب ہے جو ریاست کی تقریباً تہائی حصہ پر مشتمل ہے، جس کا 25 فیصد آبادی میں تناسب ہے۔ اِن کی آبادی عموماً پونچھ، راجوری، ڈوڈہ اور اودھمپور ضلعوں میں ہیں۔ ضلع جموں اور کٹھوعہ کے کئی حصوں میں ان کی آبادی ہے۔ اِن کی آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ ہمالیہ کی ترائی کے ساتھ ساتھ پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے۔ اِسی طرح سرینگر وادی کے کلگام، پہلگام، گلمرگ، شوپیاں، اننت ناگ، وانگت وادی کے علاقوں میں گوجروں کی آبادی ہے۔ یہ گذشتہ کئی صدیوں سے ریاست کے مستقل باشندے ہیں۔ اِن میں سے ۲ لاکھ کے قریب خانہ بدوش گوجر بکروال ہیں، جو اپنے مویشیوں کے ساتھ گرمیوں کا موسم شروع ہونے پر میدانوں سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر گھاس کی تلاش میں جاتے ہیں اور سردی شروع ہونے پر یہ لوگ واپس میدانوں میں آجاتے ہیں۔ تاہم مصدقہ طور سے ان کے اعداد و شمار حاصل نہ ہونے سے جو معلومات ہمیں غیر مصدقہ طور سے حاصل ہوئی ہیں۔ اِسی کے مطابق ہی ہم نے ناظرین کو معلومات بہم پہنچائی ہے۔ خانہ بدوش زندگی کی اِس حقیقت کو ریاست کی سرکار کے ۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۹ء کے اعلان میں بھی تسلیم کیا جاچکا ہے کہ ان کی موسم کے مطابق خانہ بدوش آمد و رفت موسم گرما میں دُور دراز پہاڑوں میں اور موسم سرما میں ان پہاڑوں سے میدانی علاقوں

ہیں فقط ان کی معاشی ضروریات کے سبب ہے۔ ان کے پاس نہ تو رہنے کے لئے مکان ہیں اور نہ کھیتی باڑی کے لئے زمین ہے۔ وہ انتہائی غریب اور پچھڑے ہوئے ہیں۔ ان کا معیار زندگی غریبی کی لائین کے بہت نیچے ہے۔ ملک کے پانچسالہ منصوبوں میں انہیں بہبودی کا تحفظ نہیں ملا۔ اس وجہ سے یہ پوری طرح فیضیاب نہ ہو سکے۔ دوسرے لوگوں میں فلاح و بہبود کا کام ہوتا دیکھ کر ان میں بھی بیداری پیدا ہوئی اور اپنی بہبودی کے لئے آہستہ آہستہ انہوں نے مانگ کرنا شروع کی۔ یہ ایک طے شدہ حقیقت ہے کہ قوم کا یہ جزو، جو پشو پالن کرکے دودھ و گھی پیدا کرکے سماج کی خدمت کرتا ہے، وہ ایک قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ ان کی اس خدمت کا ملکی اقتصادیات میں اہم دخل ہے، جن کی ترقی پر سنجیدگی سے غور ہونا ازبس ضروری ہے۔ ان میں سے کچھ گوجر کنبوں کے پاس کھیتی باڑی کے لئے زمینیں بھی ہیں، جو پشو پالن کے ساتھ زراعت کا کام بھی کرتے ہیں۔ سادہ زندگی۔ محنت اور مہمان نوازی ان کا زیور ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ریاست میں گوجر ایک پسماندہ طبقہ ہے۔ سرکار نے اپنے اعلان میں اس کا ذکر بھی کیا ہے۔ اس نکتہ نگاہ سے انہیں فلاح و بہبود کے کاموں میں خاص تحفظ ملنا چاہیئے۔ اس انتہائی پسماندہ گوجر فرقہ کو اٹھانے۔ ان کی بہبودی اور عام معیار زندگی تک لانے کے لئے ایک لائحہ عمل کی ضرورت ہے۔ گوجروں کے ساتھ ساتھ بکروالوں کو بھی ریاست میں پسماندہ طبقہ شمار کیا گیا ہے۔ اس لئے

جو بجٹ بھی ان کے فلاح و بہبود کے لئے مخصوص ہوتا ہے وہ ان دونوں طبقوں کے لئے ہی ہوتا ہے۔ حالانکہ اِن دونوں طبقوں کی بود و باش اور پیشہ اور چلن میں نمایاں فرق ہے۔ ان کے لئے بہبود کے لئے پروگراموں کے فنڈز مخصوص کرتے وقت ان دونوں فرقوں کی الگ الگ رقم کی تفصیل ہونا درکار ہے۔ اگرچہ اِن پسماندہ لوگوں کے بہبود کے لئے ریاستی سرکار نے کچھ قدم اُٹھائے ہیں۔ مگر ابھی تک بہت محنت کی ضرورت ہے۔ ان کی جہالت۔ پسماندگی۔ پرانی روایات اور خانہ بدوشی زندگی کی لعنت کو ختم کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ان کی زندگی میں نمایاں تبدیلی لانے کے لئے لگاتار کوشش اور محنت کی ضرورت ہے۔ زندگی کے جن شعبوں میں جس پروگرام کو عملی جامہ پہنایا جاتا ہے، اس کا جائزہ لینا ازحد ضروری ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ جو روپیہ جس پروگرام کے لئے مخصوص تھا کیا وہ خرچ ہوا ہے اور کیا وہ مقصد پورا ہوا ہے، جس کے لئے رقم مخصوص کی گئی تھی۔ اگر مقصد پورا نہیں ہوا اور روپیہ خرچ ہو چکا ہے، تو اس خامی کو دور کرنے کے لئے کمربستہ ہونے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر اس خامی پر کابو نہیں پایا جاتا، تو اس طبقہ کی تعمیر نہیں ہو سکے گی۔ اس بات کا بھی جائزہ لینا اشد ضروری ہے کہ جو روپیہ جس پروگرام کے لئے مخصوص ہوتا ہے اگر وہ پورا خرچ نہیں ہو سکا، تو اس کی وجوہات کیا ہیں تاکہ اس رکاوٹ کو دور کیا جا سکے اور اس ناکامیابی کی ذمہ داری کس پر عاید ہوتی ہے۔ بہر حال اس سب تفصیل کا

باریکی سے جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ محض سرکاری ضابطہ کی رفتار اور قانون سے اگر بہبود کے کام کیے جاتے رہے، تو اس میں نمایاں تبدیلی رونما ہونا قدرے مشکل ہے۔ اس میں محنت، تندہی، لگن اور انکساری کی ضرورت ہے۔ صدیوں سے پچھڑے ہوئے لوگوں کے ذہن میں تبدیلی لانے کے لیے مسلسل محنت اور کوشش درکار ہے۔ قانون کے ڈنڈے سے ان کے ذہن اور مزاج میں تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔ ہم نے اس بات کا جائزہ لینا ہے کہ جو روپیہ ان میں خرچ ہوا ہے۔ کیا اس کے مطابق ان کی ترقی اور بہبودی ہوئی ہے۔ جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

نمبر شمار	نام ضمن	رقم مخصوص 1977 - 78	رقم خرچ (لاکھوں میں)
(1)	کھیتی باڑی اور اس کے متعلق پروگرام۔	9.68	1.82
(2)	جنگلات۔	1.24	--
(3)	آبپاشی۔	19.07	16.99
(4)	مرمت اور سڑکیں۔	14.56	7.40
(5)	پشتو پالن۔	29.41	13.28
(6)	بھیڑ بکری پالن۔	11.45	3.60
(7)	انڈسٹری۔	2.43	0.42
(8)	صحت۔	0.58	--

RekhtaDownload.com

نمبر شمار	نام ضمن	رقم مخصوص (۱۹۷۴ - ۷۸)	رقم خرچ	
(9)	تمدنی پروگرام	0.10	0.10	(لاکھوں میں)
(10)	سوشیل بہبود پروگرام۔	10.18	2.76	
(11)	تعلیم ہوبائیں سکول۔	12.84	5.83	
(12)	ہوسٹل پونچھ، راجوری، سرینگر اور جموں وغیرہ۔	65.69	32.69	
(13)	وظیفہ جات۔	38.91	21.39	
(14)	تجارتی قرضہ جات۔	12.27	2.37	
(15)	برائے مرمت پگڈنڈی۔	9.85	- -	
(16)	برائے کالونی۔	62.80	35.33	
(17)	برائے زوکان شہر۔	1.00	- -	
(18)	گرانٹ۔	0.40	0.20	
		290.24	143.55	

اِس تفصیل کے معائنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو روپیہ جس ضمن میں جتنا مخصوص ہوا تھا۔ اس کے مطابق متعلقہ محکمہ خرچ کرنے کے نشانہ کو پورا نہیں کر سکے۔ اس کی وجوہات کوشش کرنے کے باوجود بھی معلوم نہ ہو سکیں۔ بہر حال جب بغور اس کا جائزہ لیا جاتا ہے تو مایوس کن نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جن جذبات کے تحت ان کی بہبود کے لئے بجٹ مخصوص کیا گیا تھا۔ اِن قدروں کو زیر غور لانے میں انہوں نے سرد مہری سے کام لیا ہے، جس وجہ سے مخصوص رقم اس متعلقہ ضمن میں استعمال

کرنے کو اہمیت دینا ضروری خیال نہیں کیا۔ اس خامی کا آخر کون ذمہ دار ہے۔ چونکہ سرکار نے ان لوگوں کی نگرانی کے لئے ایک بورڈ کو منظم کیا ہوا ہے جو ان کے فلاح و بہبود کا علمبردار ہے۔ اس ذمہ داری کے تحت اس بورڈ کا سماجی اور اخلاقی طور سے فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ ان خامیوں کی خلاء کو پورا کرنے کے لئے نئے حل تلاش کریں۔ برخلاف اس کے یہ بورڈ بھی سرکاری محکمہ کی طرح ایک ادارہ بن کر رہ گیا ہے۔ جو نتیجہ کی پرواہ کئے بنا اپنی چال سے کام کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے، جو بہت اہم ہے کہ جو بھی روپیہ متعلقہ محکمے نے اپنے ضمن کے مطابق خرچ کیا ہے اس کی جوازیت کہاں تک ٹھیک ہے۔ کیونکہ جب تفصیل کا معائنہ کیا جاتا ہے، تو معلوم ہوتا ہے، کہ وہاں بجٹ کے خرچ کا ہی صرف ذکر ہوتا ہے۔ مگر یہ کہاں ہوا اور کیسے ہوا۔ یہ معلومات محکمہ کے لئے بہم پہنچانا مشکل ہے۔ جیسے کہ کھیتی باڑی۔ پشتو بانی۔ آبپاشی اور جنگلات میں جو رقم ان کی بہبودی کے لئے خرچ کی ہے۔ ان محکمہ جات کے پروگرام کی تفصیل کیا تھی۔ کس جگہ اور کہاں یہ رقم خرچ ہوئی۔ اس سے کتنے لوگوں کو فائدہ ہوا۔ پروگرام میں اگر کوئی خامی تھی، تو اس کو دور کرنے کے لئے کیا اقدام کئے گئے۔ پورا بجٹ خرچ نہ ہونے کی وجوہات کیا تھیں۔ اس طرح پگڈنڈیوں کی مرمت میں محکمہ نے جو خرچ کیا، وہ کہاں اور کتنے لمبے میٹر راستے میں

خرچ ہوا۔ ان لوگوں کو اس سے کیا کیا فوائد حاصل ہوئے۔ وہاں ان کی کتنی آبادی تھی۔ یہ بھی تفصیل محکمہ نے عوام کی معلومات کے لئے مہیا نہیں کی۔

پشتو پالن اور بھیڑ بکری پالن میں محکمہ نے بجٹ کا کچھ حصہ خرچ کیا ہے۔ اس سے کتنے گوجر و بکروال لوگ فیضیاب ہوئے۔ یہ پروگرام کی تفصیل کیا تھی۔ اس پروگرام کی ان متعلقہ لوگوں میں کہاں تک مقبولیت رہی۔ ایسے اعداد و شمار کسی کو تسلی بخش میسر نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح ان میں چالو کئے جانے والے صنعتوں پر خرچ کا جائزہ لیا جاتا ہے، تو یہ معلوم کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ محکمہ نے ان لوگوں میں کس علاقے میں کہاں صنعت شروع کی اور اس سے ان طبقوں کو کہاں تک فائدہ ہوا۔ نئے روزگار کو اپنانے میں یہ لوگ کہاں تک تیار ہیں۔ یہ ساری تفصیل حاصل نہ ہونے سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں ہونیوالے تعمیری کام کا ان لوگوں میں کتنی فیصدی تک اثر پڑا ہے۔ صرف خرچ کی تفصیل مہیا کرنا ہی کافی نہیں ہے، جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو کہ لوگ واقعی ان تمام پروگراموں سے فیضیاب ہوئے ہیں اور کس قدر حفظان صحت اور تمدنی پروگرام ہر محکمہ نے کچھ خرچ تو کیا ہے، جیسے کہ مندرجہ بالا تفصیل سے ظاہر ہوتا ہے۔ مگر ان کا پروگرام کہاں اور کس جگہ چالو ہوا۔ ان لوگوں میں کیا تبدیلی رونما ہوئی۔ پروگراموں کی تفصیل کیا تھی۔ مستقبل میں اور پروگرام بڑھانے کے لئے کیا کیا اقدام اٹھائے ہیں۔ یہ ساری معلومات حاصل ہونے پر

رہی بہبود کا نتیجہ اخذ کرنے میں آسانی ہو سکتی ہے۔

ان کی فلاح و بہبود کے لیے 1975ء میں وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے ایک بورڈ کو منظم کیا تھا۔ جس میں ہر ضلع سے ان کو نمائندگی دی گئی تھی۔ گویا کہ اس بورڈ کے جو ممبر ہیں، وہ سب کسی نہ کسی طرح ان لوگوں کے نمائندے ہیں۔ جس سے یہ امید بندھی رہتی ہے کہ اس بورڈ کے ذریعہ ان کا تحفظ محفوظ ہے۔ پانچویں پانچسالہ منصوبہ میں ان لوگوں کے بہبود کے لیے مرکزی سرکار نے ۱۰ کروڑ روپے کا بجٹ مخصوص کیا تھا۔ اس منصوبہ کے پہلے دو سالوں میں ایک کروڑ روپیہ خرچ کیا گیا تھا۔ اس دوران ۲۰ موبائیل سکول ایسے کھولے گئے تھے۔ جو ان کے قافلوں کے ساتھ ساتھ گھومتے ہیں۔ مگر جو اعداد و شمار حاصل بھی ہوتے ہیں۔ اُن کے انجام کا اس سے اندازہ لگانا مشکل ہے۔ یہ بورڈ نگراں کے طور پر ہے، جو اپنی میٹنگوں میں سکیموں اور پروگراموں کو عملی جامہ پہنائے جانے کا جائیزہ لیتا ہے اور ضرورت کے مطابق مناسب پالیسی کو ترتیب دیتا ہے۔ مگر مخصوص شدہ نشانوں کی کامیابی کا جائیزہ لینا بھی بورڈ کی ذمہ داری کے زمرہ میں آتا ہے۔ اس لیے یہ اشد ضروری ہے کہ بورڈ اپنے پاس نشانوں کو پورا کرنے کی پوری تفصیل رکھے اور وجوہات بھی ان کے پاس ہونے چاہیئے کہ کس پریشانی اور رکاوٹ کی وجہ سے وہ مخصوص نتائج حاصل نہ کر سکے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ برائے کاروبار اور تجارت بجٹ اور کچھ متفرق گرانٹ متذکرہ بالا منصوبہ میں منظور ہوا تھا۔

مگر یہ بجٹ کتنے کنبوں میں تجارت کرنے کے لئے تقسیم ہوا۔ جنہوں نے اس پیشہ کو اختیار کیا۔ انہیں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی۔ ان کی سماجی اور اقتصادی حالت میں اگر نمایاں تبدیلی واقع ہوئی ہے، تو کس حد تک۔ مستقبل میں اس پروگرام کو کتنا بڑھایا گیا۔ اسی طرح متفرق گرانٹ جو ان میں خرچ ہوئی وہ کس علاقے اور کتنے گوجر کنبوں اور کس مقصد کے لئے خرچ ہوئے۔ یہ تفصیل حاصل نہ ہونے سے باوثوق طور سے کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔

ایسے حالات کے پیش نظر بورڈ کو اپنی توجہ اس طرف مبذول کرنا چاہیئے کہ جب انہیں مختلف ضمن میں خرچ کی تفصیل حاصل ہوتی ہے، تو اس کے ساتھ دوسری متعلقہ تفصیلات بھی حاصل ہونا چاہیئے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ان لوگوں کو ان پروگراموں سے جو مختلف محکموں نے ان میں چالو کئے تھے۔ کہاں تک فائدہ پہنچا ہے۔ اگلے سال پروگرام چالو کرنے کی تیاری کے لئے اسی بنیاد پر بجٹ مخصوص کیا جائے۔ اگر محض خانہ پوری کے طور پر بجٹ خرچ کیا جاتا رہا اور سکیموں کی کامیابی پر عملی طور پر غور نہ کیا گیا، تو ترقی پذیر ہونے کے جس خواب کو ہم دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔ لہٰذا ان سب حالات پر از سر نو غور و خوض کی ضرورت ہے۔

(XI) آبادی کا اعداد و شمار

ریاست جموں و کشمیر ملک کا ترقی پذیر صوبوں میں سے ایک ہے۔ جہاں حکومت کا نظم و نسق ایک اعلیٰ معیار کا ہے۔ بہت سے شعبوں میں ملک کی قیادت کرنے کا فخر بھی اسی ریاست کو حاصل ہے۔ کئی باتوں میں اس کو نمایاں پوزیشن حاصل ہے۔ ایسی باوقار ریاست میں گوجر۔ بکروال اور گدیوں کی مصدقہ اعداد حاصل نہیں ہیں۔ ہر کوئی اپنے اندازہ کے مطابق ذکر کرتا ہے۔ مگر کسی کی بھی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہ ایک حیران کن بات ہے، کہ ریاست میں جس آبادی کا اچھا خاصا تناسب ہو۔ اس کے مصدقہ اعداد و شمار حکومت کے پاس نہ ہوں۔ کوئی بھی سکیم ان میں چالو کرنے کے لئے جو بنیادی بات پیدا ہوگی، وہ یہ ہے کہ جس طبقہ میں فلاح و بہبود کا کام کیا جائے گا۔ اس کی آبادی کتنی ہے۔ مگر حکومت اس معلومات سے محروم ہے۔ لہذا ریاست میں ان کا صحیح اعداد و شمار کا پتہ لگانا ازحد ضروری ہے۔ اس کے علاوہ جب ان کا ذکر آتا ہے تو گوجر و بکروال دونوں طبقوں کا اکٹھا میں ذکر آتا ہے، جو اصلیت کو گمراہ کرتا ہے۔ ان دونوں طبقوں کے اکھٹے بجٹ سے یہ معلوم کرنا مشکل ہے کہ گوجر طبقہ اور بکروال طبقہ کے بجٹ کی الگ الگ تفصیل کیا ہے۔ لہذا ان کا علحیدہ علحیدہ بجٹ

مخصوص ہونا ضروری ہے۔ ان دونوں طبقوں کی طرز زندگی ہر لحاظ سے علیحدہ علیحدہ ہے۔ اس لئے ان طبقوں کا اکٹھا بجٹ مخصوص نہیں ہونا چاہیئے۔ پوری تفصیل جاننے کے لئے کہ پانچویں پانچسالہ منصوبہ میں ان کی فلاح و بہبود کے لئے جو ۱۰ کروڑ روپے مخصوص رکھے تھے۔ اس میں سے کتنی رقم گوجر طبقہ کے لوگوں پر اور کتنی رقم بکروال طبقہ کے لوگوں پر مخصوص رکھی گئی تھی۔ اور اسی لحاظ سے علیحدہ علیحدہ کتنی کتنی رقم طبقوں کی آبادی کے مطابق ان پر خرچ ہوئی۔ اس تفصیل کو بھی منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔ ہمیں امید ہے کہ متذکرہ بالا سب تفصیلات حاصل کر کے بورڈ اپنی سالانہ رپورٹ میں شایع کرنے کی کوشش کرے گا۔

گذشتہ 1931ء کی مردم شماری کی رپورٹ کو زیر بحث لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ گوجروں کی آبادی ریاست میں 4,0,728 لاکھ تھی جب کہ 1961ء کی مردم شماری میں ان کی آبادی 381457 لاکھ تھی۔ گویا کہ ریاست کی کل آبادی میں ان کی آبادی 37 فیصدی تھی۔ اس اعداد و شمار کو دیکھ کر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس درمیانی مدت میں ان کی آبادی میں 121324 لاکھ کی کمی کیسے واقع ہوئی جو کہ حیران کن ہے۔ ان کی آبادی میں کمی کیسے واقع ہوئی اور کیوں ہوئی۔ یا اندراج میں کسی خامی کی وجہ سے یہ ہوا۔ اس کے متعلق بھی ابھی تک کسی محکمہ یا تنظیم نے تحقیق نہیں کی، جب کہ نسل بندی کا بھی کوئی

پروگرام ان میں چالو نہیں تھا۔ اچھوت کی کسی بیماری کی وجہ سے بھی کوئی قابل بیان اموات واقع نہیں ہوئی۔ تو پھر ان کی آبادی میں کمی ہونے کی کیا وجوہات تھیں۔ کسی نسل کی آبادی میں کمی واقع ہونا خوشگوار علامت نہیں ہے۔ اس مردم شماری میں یہ معلومات بھی نمایاں نہیں ہوئی کہ اس اعداد و شمار میں گوجروں کی آبادی کتنی ہے اور بکروالوں کی کتنی۔ ان کا علیحدہ علیحدہ تناسب کل آبادی میں کتنا ہے۔ آنیوالی اگلی مردم شماری میں یہ معلومات عیاں ہونی چاہیئے۔ قوم کی تعمیر کے کام میں یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ ریاست میں آبادی کے لحاظ میں ان کی پوزیشن کیا ہے اور کس فیصدی سے ان میں بجٹ مخصوص کیا جانا چاہیئے۔ اس معلومات کی بناء پر وہ ملازمت وغیرہ اور اپنی تناسب کے مطابق حکومت میں حصہ حاصل کر سکینگے۔ اس کے علاوہ حاصل شدہ نشانوں کا جائیزہ بھی اسی بنیاد پر حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ ایک افسوسناک بات ہے کہ کثیر التعداد آبادی والے طبقہ کے مصدقہ اعداد و شمار کا سرکاری ریکارڈ میں اندراج نہیں ہے۔ ۷ر فروری 1969ء میں روزانہ پرتاپ میں ایک خبر شائع ہوئی تھی، جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ ریاست میں ان کی آبادی ۱۶ لاکھ کے قریب ہے۔ شری اوم پرشاد کھٹانہ نے اپنی کتاب میں ان کی آبادی 12 لاکھ کے قریب ہونے کا حوالہ کیا ہے۔ اسی طرح جیوتیشور پاٹھک نے جے اینڈ کے کرانیکل جولائی 1976ء میں اپنے ایک مضمون کے دوران ان کی آبادی ۱۰ لاکھ

کے قریب ہونے کا دعویٰ کیا ہے، جسے ریاست کی کل آبادی میں ۲۵ فیصدی کی اکثریت حاصل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ مگر یہ ان کی اپنے اپنے خیال کی تفصیل ہے، جنہوں نے اپنے تخیل کے زیر تحت لوگوں کو واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ مگر اس بنیاد پر کوئی نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا، جب تک کہ مصدقہ طور پر ان کی آبادی کا علم حاصل نہیں ہوتا۔ اس خامی کی طرف متوجہ ہو کر امید ہے کہ سرکار اس بارے میں موثر قدم اٹھائیگی۔ ریاست میں ان کی آبادی کی تفصیل کیا ہے اور علیحدہ علیحدہ اعداد و شمار حاصل کر کے عوام کے سامنے لانے کی کوشش کرے گی۔ مگر پھر بھی ادھر ادھر سے چھان بین کرنے کے بعد ہمیں جو معلومات حاصل ہوئی ہیں، وہ ہم ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ مگر اس کوشش کے باوجود بھی اس انداز کو اخذ کرنا کہ اس پیمانے کے مطابق ان کی تعداد صحیح ہوگی، باوثوق نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کی جو رپورٹ ہمیں ملتی ہے۔ اس میں ایسی تفصیل نہیں ملتی، جہاں یہ بات واضح ہو کہ ریاست میں ان کا شمار کس حیثیت میں ہے، یعنی کہ ان کی تعداد کل آبادی میں کتنی ہے۔ مگر رپورٹ کے مطابق جو تفصیل ملتی ہے، وہ صرف گوجری بولنے والوں کی تعداد ہے، جس میں ایسے لوگ بھی شمار ہو سکتے ہیں جو گوجری زبان بولتے ہیں، مگر گوجر طبقہ سے تعلق نہیں رکھتے۔ اس نکتہ نگاہ سے ریاست میں جو لوگ گوجری زبان کا استعمال کرتے ہیں، اس کی تفصیل

RekhtaDownload.com

مندرجہ ذیل ہے۔

ریاست میں گوجری بولنے والوں کی کل تعداد 20932 لاکھ ہے۔ اِن میں سے 1,11583 لاکھ مرد اور 97744 لاکھ عورتیں گوجری بولی بولتے ہیں۔ دیہات میں گوجری بولنے والوں کی تعداد 209011 لاکھ ہے۔ اس میں سے 1,11390 لاکھ مرد اور 97621 لاکھ عورتیں ہیں، جو اس زبان کا استعمال کرتے ہیں۔ شہر میں جو اِس زبان کا استعمال کرتے ہیں، اس کی تعداد صرف 316 سو ہے۔ اِس میں سے 193 مرد اور 123 سو عورتیں ہیں، جو یہ بولی بولتے ہیں۔ صوبہ وار تفصیل کے مطابق 144834 لاکھ لوگ ایسے ہیں، جو صوبہ جموں میں اِس بولی کا استعمال کرتے ہیں اِس میں سے 76906 لاکھ مرد اور 67928 لاکھ عورتیں ہیں، جو اس بولی کا استعمال کرتے ہیں۔ اِسی طرح سرینگر صوبہ میں 64489 لاکھ ایسے ہیں، جو گوجری زبان بولتے ہیں۔ اس میں سے 34673 لاکھ مرد اور 29816 لاکھ عورتیں ہیں، جو یہ زبان استعمال کرتے ہیں۔ ریاست کے ضلعوں میں اِس زبان کے بولنے والوں کی تفصیل کیا ہے۔ وہ معلومات بھی مندرجہ ذیل ہے:۔

نمبر شمار	نام ضلع	کل تعداد	مرد	عورتیں
۱۔	جموں	5534	3001	2583

RekhtaDownload.com

(2)	کٹھوعہ	3288	1741	1547
(3)	اودہمپور	25500	13198	12302
(4)	پونچھ	85535	45758	39777
(5)	ڈوڈہ	24927	13208	11719
(6)	سرینگر	14199	7591	6608
(7)	اننت ناگ	27018	15171	11847
(8)	بارہ مولہ	23276	11915	11361

کچھ اعداد و شمار ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق گوجری زبان بولنے والوں کے برائے معلومات ناظرین کو مہیا کئے ہیں۔ اگر یہ تصور کیا جائے کہ یہ زبان بولنے والے گوجر ہی ہونگے۔ تو اس بنیاد پر بھی یہ تعداد اس سے نہیں ملتی، جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔ اس اعداد و شمار میں بھاری فرق ہونے سے باوثوق اخذ کرنا مشکل ہے۔ مگر ۱۹۷۱ء کی مردم شماری رپورٹ کا معائینہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ریاست میں گوجری بولی بولنے والوں کی تعداد 330485 لاکھ ہے۔ ان کی ضلع وار تعداد اور تناسب کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

نمبر شمار	نام ضلع	گوجری بولنے والوں کی تعداد	تناسب فیصدی
(1)	جموں	8639	2.6
(2)	کٹھوعہ	5057	1.5

RekhtaDownload.com

نمبر شمار	نام ضلع	گوجری بولنے والوں کی تعداد	تناسب فیصدی
(3)	اودہم پور	36091	10.9
(4)	پونچھ	65337	19.8
(5)	راجوری	56736	17.2
(6)	ڈوڈہ	42578	12.9
(7)	سرینگر	20949	6.3
(8)	اننت ناگ	44666	13.5
(9)	بارہ مولہ	50430	15.3

اس طرح ریاست میں گوجری بولی کا استعمال کرنے والوں کی تعداد کی تفصیل دی ہے - مگر یہ اعداد و شمار مردم شماری رپورٹ کے مطابق جو مہیا ہوئے ہیں اس میں نمایاں فرق ہونے کی وجہ سے باوثوق اخذ کرنا مشکل ہے - ان کی تعداد بڑھنے کی بجائے کمی کا رونما ہونا قابل یقین نہیں ہے - ان خامیوں کی طرف سرکار کا دھیان مبذول ہونا درکار ہے تاکہ واضح تصویر عوام کے سامنے آسکے -

RekhtaDownload.com

(XII) خانہ بدوش زندگی

جس انسان کا اپنی رہائش کے لیے کوئی گھر د مکان نہیں ہے۔ زندگی کا گذارہ کرنے کے لیے اس کا کوئی مستقل کاروبار نہیں ہے۔ کھیتی باڑی کے لئے کوئی زمین نہیں ہے اور نہ ہی اس کے پاس کوئی دوکان ہے۔ جس سے وہ اپنی پختہ آمدنی کا کچھ ذریعہ بنا سکے۔ لہذا چاروں طرف سے وہ دیوالیہ ہوکر مفلسی کی حالت میں اپنی بیکسی پر وہ آنسو بہاتا ہے۔ وہ اپنے بچوں کو فاقہ کشی اور ننگے دیکھ کر کوئی بھی مزدوری کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ حالات کی جوکروٹ اس کو اپنی لپیٹ میں لیتی ہے۔ وہ اس کے مطابق اپنی مزدوری کے ذرایع ڈھونڈنے کیلئے مجبور ہوتا ہے۔ ملک کی سیاسی حالات میں جب تبدیلی پیدا ہوئی۔ بیرونی حملہ آوروں کے لیے دَر پے حملوں نے جب ان کی لوہ آور طاقت کو خستہ کرنا شروع کیا۔ تو وہ بدنصیب وقت بھی آیا کہ جب ان کے لگاتار حملوں کی وہ (گوجر) تاب نہ لا سکے۔ ان کے پاؤں اپنی جگہ سے اُکھڑنے لگے۔ یہ کتنی بدقسمتی کی بات تھی کہ وہ قوم جس نے ملک کے ننگ و ناموس کو بچانے کے لئے اپنی قربانیاں دی تھیں۔ ان کی بیش بہا لامثال قربانیوں کی وجہ سے بیرونی حملہ آور اپنی خواہشات کو پورا نہ کرسکے اور بُری طرح ناکام ہوکر لگاتار پسپا ہوتے رہے۔ جس نے پرتھوار بن کر

ملک کی حفاظت کی اور اپنی پہرہ داری میں کسی کو ملک کی حدود چھونے تک کی اجازت نہیں دی۔ جس کی عظیم سلطنت کے آگے ملک کے دیگر راجے، مہاراجے سر تسلیم خم ہوتے تھے اور جو قوم ترقی کی چوٹی پر جھوم رہی تھی۔ اس کی حالت آج اتنی دگرگوں ہے کہ اسے قلمبند کرنے مشکل ہے۔ انہوں نے اپنے گھروں اور علاقوں کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہا اور کارواں کی شکل میں اپنے آپ کو بچانے کے لئے محفوظ جگہ کی تلاش میں گھومنے لگے۔ گویا کہ جہاں سینگ سمائے بیٹھ گئے۔ اَب ان کے پاس آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ جو اثاثہ بھی ان کے پاس تھا۔ وہ پیٹ کی آگ بجھانے میں ختم ہو گیا۔ زندگی کے گذارے کے لئے روزگار کی تلاش شروع کی۔ ماضی کی طرح اِن کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھے۔ اور اس شاندار ماضی کو وہ بھول جانا چاہتے تھے۔ اس صورت حال میں جس کو جو پیشہ پسند آیا۔ اِس نے اس کو ہی ذریعہ معاش بنایا۔ اِن دِنوں جنگل و چراگاہوں کی بہتات تھی۔ انہوں نے یہ سب کچھ دیکھا اور محسوس کیا۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر گائے بھینس کے پالنے اور دودھ و گھی کو فروخت کرنے کا ذریعہ معاش اپنایا۔ وہ اپنے پشوؤں کے لئے گھاس کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھومنے لگے۔ جہاں بھی انہیں چراگاہ ملی وہاں جانے کی کوشش کی۔ وقت کے ساتھ وہ نسل ختم ہوئی۔ اِس کی جگہ دوسری نسل نے لی۔ انہوں نے دیکھا کہ حالات کی مجبوری سے اِن کا

باپ انہیں تعلیم نہ دے سکا۔ سماج سے الگ تھلگ ہو کر پشتوؤں کے ساتھ رہنے سے کسی دوسرے ذریعۂ معاش کو وہ تلاش نہیں کر سکے گا۔ نہ ہی اُس کے لئے اس کے پاس کوئی ذرائع ہیں۔ جس پیشہ میں اس نے اپنے باپ کی مدد کی تھی۔ اسی میں ہی اسے کچھ تجربہ ہے۔ لہٰذا اسی چالو پیشہ کو ہی اپنایا جائے۔ تاکہ اس پر عاید ذمہ داری کو وہ آسانی سے نبھا سکے۔ ایسا سوچ کر وہ اپنے بزرگ کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہوا۔ وہ پھر اپنے پشتوؤں کے لئے گھاس کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھومنے لگا اور جہاں کہیں اسے چراگاہ ملی ہے، وہاں ہی وہ عارضی طور پر یا کبھی بھی مستقل شکل میں بیٹھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح یہ سلسلہ نسل در نسل سے چلا آرہا ہے۔

بیرونی حملوں سے ملک میں استحکام نہ رہا۔ لوٹ، کھسوٹ جاری ہوا۔ مار کاٹ کا بازار گرم ہوا۔ قتل عام شروع ہوئے۔ ہر وقت کے حملوں سے لوگ پریشان و حراساں رہنے لگے۔ جب لڑائی سے ہی کسی کو فرصت ہی نہیں تھی۔ وہاں فلاح و بہبود کی بات کو زیر خیال لانا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ جو جس حالت میں تھا۔ اسے اپنے بھروسہ اور طاقت پر ہی اپنی زندگی کا گذارہ کرنا ہوتا تھا۔ اس دوران نت نئے ان کی لوٹ مار اور روزمرہ کی زندگی درہم برہم ہونے سے ملک کی اقتصادی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔ سیاسی حالات میں استحکام نہ ہونے کی وجہ سے ملک کے دوسرے حصوں میں بھی لوگ اپنے

آپ کو بچانے کے لئے جہاں انہیں محفوظ جگہ پسند آئی، وہاں ہجرت کی۔ انہیں اپنے آبائی پیشے بھی چھوڑنے پڑے۔ دستکار بے روزگار ہوگئے۔ اس کے ساتھ دستکاریاں بند ہوگئیں۔ لوگوں کو ان کی ضرورت کے مطابق اشیا دستیاب ہونا مشکل ہونے لگا۔ وقت پر کھیتی باڑی نہ ہونے کی وجہ سے پیداوار میں کمی پیدا ہونے لگی۔ اس طرح ملک کا اقتصادی شیرازہ بکھرنے کی وجہ سے لوگوں کی زندگی دوبھر ہونے لگی۔ وہ ملک جو سونے کی چڑیا کے نام سے مشہور تھا، جہاں سب چیزیں انسان کی ضرورت کے مطابق مہیا ہوتی تھیں۔ سستی اتنی تھی کہ کوئی خریدنے والا نہیں تھا گویا کہ پیداوار سڑتی تھی۔ چونکہ کھپت کم تھی۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ لگاتار بیرونی حملوں۔ اقتصادی لوٹ کھسوٹ۔ مار کاٹ اور دستکاریوں کی بربادی کی وجہ سے وہ ملک جہاں کسی چیز کی کمی نہیں تھی، کنگال اور دیوالیہ بن کر رہ گیا۔ بیرونی حملوں سے لیکر انگریزی حکومت تک یہ ملک اسی کشمکش میں سسکتا رہا۔ صدیوں کی لمبی جدوجہد کے بعد جب یہ ملک آزاد ہوا، تو اس کا نقشہ بدل چکا تھا۔ اس نسل کے بچوں کو یہ تحقیق کرنا مشکل ہوگیا کہ اس ملک کو سونے کی چڑیا کیونکر کہا جاتا تھا۔ اس ملک میں کیا خوبیاں تھیں، جس وجہ سے یہاں کے لوگ خوشحال تھے۔ یہ ان کے لئے قابل یقین بات نہیں تھی کہ اس ملک میں دودھ اور شہد کی ندیاں بہتی تھیں۔ پانی مانگنے پر جسے دودھ ملتا تھا اور جہاں دودھ فروخت کرنے کا رواج نہیں تھا۔ جہاں مہمان

گی دودھ اور دودھ کی بنی اشیاء سے خوب خاطر تواضع کی جاتی تھی اور مہمان نوازی کی عزت سے اسے نواز کیا جاتا تھا۔ مگر جو بھی ملک کا حصہ بچا تھا اور جس حالت میں تھا۔ کانگریس نے انگریز سرکار سے حاصل کیا۔ اس پارٹی نے اپنی بنیادی پالیسی کے مطابق ملک میں جمہوری طرز کی حکومت قایم کرنے کا اعلان کیا۔ جس کے تحت ملک کے ہر فرد کو یکساں حقوق اور مکمل تحفظ دینے کی یقین دہانی کرائی گئی تھی۔ کانگریس سرکار نے یہ ذمہ داری لی اور اس ذمہ داری کے تحت عوام کو یہ یقین دلایا تھا کہ وہ ان کی بہبودی اور ان کے مستقبل کو روشن اور خوشحال بنانے کے لئے وہ ایک لائحہ عمل تیار کر کے اس کے مطابق آگے بڑھیگی۔ مگر وہ آزادی جو غریب عوام کی قربانیوں کی بدولت حاصل کی تھی، وہ صرف چند کنبوں تک ہی محدود ہو کر رہ گئی۔ آزادی حاصل ہونے کے بتیس سال بعد تک بھی ان گھروں میں خوشحالی کے چراغ کی روشنی نہ ہو سکی۔ اور وہ اس بدحالی کی قسمت میں آنسو بہا رہے ہیں۔ جہاں ان کے بزرگوں نے بیرونی حملہ آوروں کے وقت اپنی مصیبتوں کا آغاز دیکھا تھا۔ ملک کو ترقی پذیر کرنے کے لئے کئی پانچسالہ منصوبے ترتیب دیئے گئے۔ کروڑوں اور اربوں روپے کے بجٹ ملک کے فلاح و بہبود کے لئے خرچ ہوئے۔ سورگ کی سیڑھی تیار کی گئی۔ ہماری نسل کے بچے کب وہاں پہنچ جائینگے، یہ کوئی پتہ نہیں ہے۔ کیونکہ سیاسیات کی بے چینی، داؤ پیچ کھیلنے والے لیڈروں کو پریشان کر رہی ہے، جس

سے ملک اسی کام کھو چکا ہے اور لیڈر پرسکون اور پوری راحت کے ساتھ ملک کی بہبودی کے لئے سوچنے میں ناکام ہیں۔

مگر اس طرح غیر یقینی حالات غیر معین عرصہ تک اِس جمہوری دَور میں جہاں سب کو مساوات کا حق حاصل ہے، چالو نہیں رہ سکتے۔ اِنسانی تہذیب کو یہ گوارہ نہیں ہے کہ اس کا ایک طبقہ بے خانماں ہوکر خانہ بدوش زندگی بسر کرتا ہے اور اس کا ہمسایہ مستقل زندگی کی بے فکری میں رہائش پذیر ہو، اور عیاشی کرتا رہے۔ اِس طرز زندگی کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے اگر بر وقت کوئی موثر قدم نہیں اُٹھائے گئے، تو نتائج نہایت سنگین ہو سکتے ہیں۔ جو کچھ بھی اس ضمن میں اب تک ہوا ہے وہ اتنا کم ہے کہ اس کا ذِکر کرنا بیکار ہے۔ ہماچل پردیش میں سب سے پہلے بہن مرزولہ سارا بھائی کی قیادت میں کچھ بہبود کے کام ہوئے، جنہوں نے پنڈت جواہر لال نہرو کی توجہ اس طرف مبذول کرا کر پانچسالہ منصوبوں میں کچھ بجٹ منظور کرائی تھی۔ مگر وہ پروگرام منصوبوں میں مستقل چالو نہ رہ سکے اور پایۂ تکمیل تک نہ پہنچ سکے۔ اس طرح جموں و کشمیر سرکار نے بھی شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں ایک بورڈ کی تشکیل کر کے کچھ بہبود کے کام اور پروگرام چالو کیے ہیں۔ مگر جس رفتار سے کام ہونا چاہیئے۔ اس کے مطابق نتائج رونما نہیں ہوئے۔ ان کی بہبود کے سب پروگرام متعلقہ محکموں کی ذمہ داری پر ہیں جو اپنے سرکاری ڈھنگ اور نکتہ نگاہ سے کرتے ہیں۔ ان میں پورا شوق اور تندہی کا جذبہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ پروگرام اس

اُمنگ کے ساتھ پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچے، جس اُمید سے شروع کئے گئے تھے۔ اِس وجہ سے اِس ضمن میں مخصوص بجٹ مختلف محکمہ جات پُورا خرچ نہیں کر پائے۔ جو خرچ ہوتا بھی ہے اس کے نتائج کیا ہیں۔ یہ اخراجات حق بجانب کہاں تک محفوظ ہیں اور مسائل میں کتنی کمی ہوئی ہے۔ اِن سب اعداد وشمار کی تفصیل حاصل کرنا مشکل ہے۔ اِس ضمن میں رپورٹ سے واضح ہوتا ہے کہ جموں وکشمیر سرکار نے ان کی مستقل رہائش کے لئے اِنہیں کچھ نوتوڑ دینے پر غور کر رہی ہے، جنہوں نے بے ضابطہ نوتوڑ کی ہے۔ اُسے ضابطہ کے تحت منظوری دینے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ مگر اس سے آگے باوثوق تفصیل نہ ملنے کی وجہ سے یہ بتانا مشکل ہے کہ یہ پالیسی عمل درآمد ہونے سے لیکر آج تک کتنے کنبوں کو نوتوڑ منظور ہوئے اور فی کنبہ کتنے ایکڑ نوتوڑ عطا ہوا اور کن شرائط پر ہوا۔ نوتوڑ اگر دیئے گئے، تو کیا وہاں پر وہ مستقل طور سے رہائش پذیر ہیں اور کس علاقے میں دیئے گئے۔ کیا ان علاقوں کے پاس چراگاہیں ہیں، جن پر لواروں نے بے ضابطہ نوتوڑ پر قبضہ کیا ہے کیا انہیں ضابطہ کے تحت منظوری دے دی گئی ہے اور وہ کتنے کنبے ہیں اور ان کے پاس کتنے کتنے ایکڑ نوتوڑ ہے۔ یہ سب معلومات کوشش کرنے کے باوجود حاصل نہ ہونے کی وجہ سے یہ باوثوق نہیں کہا جا سکتا کہ مستقل آبادکاری کے مسائل میں کس قدر کمی واقع ہوئی ہے اور کتنی فیصدی کامیابی خانہ بدوش زندگی کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے حاصل ہوئی ہے۔

RekhtaDownload.com

(XIII) تجاویز برائے آبادکاری

جیسے کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے کہ سرکار کی پالیسی کے مطابق گوجر و بکروال بورڈ نے گوجروں کو ایک کالونی میں بسانے کا پروگرام مرتب کیا۔ اور اس کے لئے تحصیل جموں کے سنجواں گاؤں میں تنلو کنبوں کیلئے ایک کالونی کو تعمیر کیا۔ اس پر جو خرچ ہوا ہے، اس کی تفصیل بھی دی گئی ہے۔ معائنہ سے معلوم ہوا ہے کہ وہاں پر ابھی تک گوجروں کا ایک کُنبہ بھی آباد نہیں ہو سکا۔ اس نئے ماحول میں ان کو ڈھالنے کے لئے سرکار نے کیا اقدام اُٹھائے۔ یہ کچھ بھی واضح نہیں ہے۔ کالونی کی تعمیر ہونے سے یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا کہ ان کی آبادکاری کا مسئلہ حل ہو گیا ہے۔ نئے حالات، نئی جگہ۔ اور نئے ماحول میں انہیں کیسے بسایا جا سکے، یہ سب غور طلب سوال ہیں جسے بکے بعد دیگرے سوچنے کی ضرورت ہے۔ ایسی کالونی کی تعمیر کرتے وقت اس بات کا ضرور دھیان رکھنا چاہیئے کہ کمروں کا سائز کم از کم ۱۵ فٹ لمبا اور ۱۰ فٹ چوڑا ۶ فٹ برانڈہ کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ اور رسوئی بھی علیحدہ ہونا چاہیئے، جو ۱۰ فٹ لمبی اور 8 فٹ کے قریب چوڑی ہو۔ اس کے ساتھ مویشیوں کے لئے ایک شیڈ ہونا چاہیئے۔ اس انداز کے ساتھ کہ ان کے پشوؤں کا گذارہ اس میں ہو سکے۔ وہ شیڈ محکمہ پشو پالن کے طریق کے مطابق جدید طریقہ کا ہونا چاہیئے۔

وہاں پر ایسا انتظام ہونا چاہیے کہ ان کے پشوؤں کا دودھ وہاں سے ہی اکٹھا کیا جائے تاکہ انہیں دودھ فروخت کرنے کے لئے اِدھر اُدھر بھٹکنا نہ پڑے۔ سکیم میں یہ سہولیت بھی ہونا ضروری ہے، کہ ضرورت کے مطابق وہاں پر ایک چھوٹا پلانٹ دودھ کو ٹھنڈا رکھنے کے لئے لگایا جائے تاکہ اگر دودھ بر وقت سپلائی نہ ہو سکے، تو وہ وہاں پر چلنگ پلانٹ میں محفوظ رہ سکے۔ اس طرح شام کے وقت کا دودھ عموماً موسم گرما کے دوران جو گوجر فروخت نہیں کر سکتے، اکو بھی فروخت کر سکینگے۔ جس سے ان کی آمدنی میں اضافہ ہوگا۔

اِس کے علاوہ آسان قسطوں پر اور معمولی شرح سود کی دَر سے انہیں قرضہ جات برائے پشو خرید دیئے جائیں۔ اس کے ساتھ سبسڈی کی سہولیت بھی انہیں فراہم ہونا درکار ہے۔ مقررہ مدّت کے مطابق جہاں سرکار اپنے قرضہ جات سود کے ساتھ واپس لے گی، وہاں دوسری طرف گوجروں کو پشوؤں کی ملکیت حاصل ہونے پر انہیں راحت حاصل ہوگی اور سکون محسوس کریں گے۔ تندہی، لگن اور محنت سے پشوؤں کی دیکھ بھال کریں گے۔ اس قسم کے قرضہ جات سے ان کی مالی حالت میں سدھار ہوگا۔ اِن کے پشوؤں کے چارے کا بھی خاطرخواہ اِنتظام ہونا ضروری ہے، جیسے کہ چارہ بنک کھولنے کی تجویز دی گئی ہے۔ اس کے مطابق ایک چارہ بنک وہاں کھولنے

کی سہولیت بھی ہونا ضروری ہے۔ پیشو پالن کے نکتہ نگاہ سے پیشوؤں کو باندھ کر چارہ دیا جائے جو کہ جائیز اور قدرتی طریقہ ہے۔ گھوم کر یا اِدھر اُدھر چلتے پھرتے پیشوؤں کو چرانہ کرانا کسی طرح بھی مناسب نہیں ہے۔ بیشتر ترقی یافتہ ملکوں میں پیشو کو باندھ کر ہی ایک جگہ پر چارہ دیا جاتا ہے۔ اگر ایسی کوشش کی جائے، تو اِس طریقہ کو کالونی میں آباد ہونے والے گوجر اپنے پیشوؤں کے لیے اپنا لیں گے۔

چارے کی ضرورت کے مُطابق مہیا کرنے کے لیے کالونی کے آس پاس جو کاشتکاری کی زمینیں ہوں وہاں پر مقررہ تناسب کے مُطابق فصل کے ساتھ ساتھ چارہ بھی پیدا کرنے کا رواج ان زمینداروں میں پیدا کیا جائے۔ یہ ذمہ داری بلاک آفیسر پر عاید ہوگی کہ وہ اپنے دیگر فلاح و بہبود کے پروگراموں کے ساتھ ساتھ کالونی میں آباد ہونے والے گوجروں کے پیشوؤں کے لیے وہاں زمینداروں کو فصل کے ساتھ ساتھ مقررہ تناسب سے چارہ پیدا کرنے کا پروپگنڈہ کرے، تاکہ چارہ بنک کے لیے ضرورت کے مُطابق وہاں پر چارہ پیدا ہوسکے۔ اِسی چارہ بنک میں کھلی اور بنولے وغیرہ اور سوکھا چارہ گویا کہ پیشوؤں کی خوراک کے مُطابق سپلائی کا پورا انتظام ہونا چاہیئے تاکہ سستے نرخوں پر بآسانی دستیاب ہوسکے۔ اِس کے لئے کواپریٹیو سوسائیٹی کا قیام عمل میں لانا بھی اشد ضروری ہے۔

پیشوؤں میں اکثر متعدی بیماریاں پیدا ہونے کا خطرہ لاحق

رہتا ہے۔ ان میں کوئی بیماری پیدا نہ ہو۔ ایسی حفاظتی تدابیر کے لئے محکمہ پشو پالن کی طرف سے وہاں ایک سنٹر ایسا ہونا چاہیئے کہ ان کے پشوؤں میں پیدا ہونے والی بیماری کا فوری طور سے علاج ہو سکے۔ اس طرح کی سہولیت انہیں مہیا ہونے پر ان کی اقتصادی حالت پر خوشگوار اثر پڑے گا۔ نسل سدھار کے لئے بڑھیا نسل کے بیل اور بھینس جو ان کو دیئے جاتے ہیں، وہ شرط کے بغیر ہونا چاہیئے۔ بلکہ وہ کسی گوجر کنبہ کے معتبر و مدبر کو معمولی سبسڈی کی بنیاد پر سپردنامہ پر دیا جانا چاہیئے۔ تاکہ اسے یہ احساس ہو کہ وہ اس کا مالک ہے۔ وہ اپنے تجربہ کی بناء پر اس کا استعمال کرے گا۔ اس سلسلہ میں محکمہ کی جو پالیسی ہے، وہ خوشگوار نہ ہونے کی وجہ سے اچھے نتائج رونما نہیں ہوئے۔ کیونکہ محکمہ اپنی سکیم کے مطابق بیل اور بھینس، جس کی سپردداری میں رکھے جاتے ہیں۔ اسے کچھ معمولی سی رقم اس کے چارے کے لئے بھی دیئے جاتے ہیں۔ چارہ ٹھیک طرح سے اسے ملتا ہے یا کہ نہیں۔ محکمہ یہ جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اور نہ ہی اس بات کی احتیاط ہی رکھتا ہے کہ اس بیل اور بھینس کا استعمال کیا جائز طریقہ سے ہوا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ناجائز استعمال ہونے سے نسل سدھرنے کی بجائے بگڑتی ہے۔ جس مقصد کے لئے وہ بیل تقسیم کیئے جاتے ہیں، وہ پورا نہیں ہوتا۔ بیلوں کو سرکاری

ادارون پر رکھنے کا تجربہ بھی کامیاب ثابت نہیں ہوا ہے - لہذا اس پالیسی پر غور ہونا اَز حد ضروری ہے اور اس سلسلہ میں جو تجویز رکھی گئی ہے، اسے عمل درآمد کرنے پر غور ہونا چاہیئے - تاکہ نسل سدھار کا مقصد پورا ہو سکے - زندگی کی ضروریات کے لئے وہاں جو چیزیں دستیاب ہوں، وہ امداد باہمی کی بُنیاد پر مہیا ہونا چاہیئے - تاکہ واجب نرخوں پر انہیں اشیاء مہیا ہو سکے - اس کے ساتھ وہاں تعلیم کا بھی خاطر خواہ انتظام ہونا چاہیئے - ان مجوزہ سہولیات کے مہیا ہونے پر ان کا رجحان خود بخود وہاں آباد ہونے کے لئے مبزول ہوگا - اس طرح آہستہ آہستہ انہیں مستقل طور سے ایک جگہ پر رہنے کی عادت ہونے لگے گی - یہ ان کی آبادکاری کا پہلا مرحلہ ہے، جو کالونی کی شکل میں انہیں آباد کرنے کا پروگرام ہے - دُوسرا پروگرام ان کو کنبوں کے مطابق آباد کرنے کا زیر غور لانا چاہیئے - اس پروگرام کے مُطابق جو گوجر کنبے جہاں پر ہیں، وہاں پر ہی ان کی ایک اکائی تصور کر کے آباد کیا جانا چاہیئے - اس کے لئے سنجیدگی سے سروے کرنے کی ضرورت ہے - جو گوجر کنبہ جہاں پر رہائش پذیر ہے - اگر انہیں وہاں پر ان کی ضرورت کے مُطابق سہولیات مہیا کی جائیں تو کم خرچ میں ان کی آبادکاری کا مسئلہ حل ہو جانے کی اُمید ہے -

خانہ بدوش گوجروں کے کچھ کُنبے سالہا سال سے سرزمینوں میں

جن علاقوں میں آ کر اپنی بستیاں بساتے ہیں، جیسے کہ ضلع جموں کے بارڈر علاقوں مثلاً رنبیر سنگھ پورہ، مڑھ، جوڑیاں، اکھنور وغیرہ میں بسوال رکھ اور نندنی علاقے کے جنگلات، نگروٹہ کے پاس سہہ گائی رکھ، اٹکری علاقے کے جنگلات میں چھری منحصل رکھ وغیرہ میں ان کی کالونیاں تعمیر کی جا سکتی ہیں، جہاں بیسیوں ایکڑ رقبہ جات حاصل ہو سکتے ہیں، جہاں گھاس اور پانی کی سہولیات مہیا ہے۔

ضلع کٹھوعہ میں آنے والے خانہ بدوش گوجر دیالہ چک کے آس پاس اور بسوہلی کے اردگرد اپنے ڈھیرے لگا کر سردیوں کے دن کاٹتے ہیں۔ اس ضلع کے ہیرانگر کے موقع مڑحسن کے علاقے میں رکھ یعنی چھانگی سنین چک رکھ، خاص کٹھوعہ کے پاس جنگلات رکھ۔ مال پال رکھ۔ جگت پور رکھ میں سینکڑوں ایکڑ رقبہ جات پڑے ہیں، جہاں ان کی بستیاں بسانے پر غور ہو سکتا ہے۔

(XIV) بکروال

ہماچل کے ضلع چمبہ کے گدّیوں کی طرح ریاست جموں و کشمیر میں ایک طبقہ ہے، جسے بکروال کہا جاتا ہے، جن کا گدّیوں کی طرح ہی بھیڑ بکری پالنے کا پیشہ ہے اور جو خانہ بدوش زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان دونوں طبقوں میں صرف مذہب کا فرق ہے۔ گدّی ہندو مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ ہماچل میں ٹرائیب کی لسٹ میں شامل ہیں اور وہاں شیڈولڈ ٹرائیب کے طور سے تصور کئے جاتے ہیں۔ یہ بکروال اسلام دھرم کے پیروکار ہیں! ان کی زندگی کی ہر بات گدیوں سے ملتی ہے۔ البتہ بکروال یہاں ٹرائیب کی لسٹ میں شامل نہیں ہے۔ گوجروں کی طرح ریاست میں بکروال بھی شیڈولڈ ٹرائیب نہیں ہیں۔ یہ صدیوں سے جہالت اور پسماندگی کی پست زندگی گذر کرتے چلے آرہے ہیں۔ ہر وقت اپنے ریوڑوں کے ساتھ گھومتے پھرتے رہنے کی وجہ سے گوجروں کی طرح تعلیم کے معاملہ میں یہ بہت پیچھے ہیں۔ یہ اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا کہ اس زندگی میں وہ اور ان کے بچے کبھی تعلیم بھی حاصل کر سکینگے۔ اس طرح حالات کے پیش نظر یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ یہ لوگ کبھی تعلیم سے روشناس ہو سکینگے۔ یہ سب اپنے ماضی کو بھول گئے ہیں۔ مگر تحقیق سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے جسم کے شریانوں میں بھی وہی خون بہتا ہے جو آریہ نسل کے لوگوں میں بہتا ہے۔ مگر

یہ ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ گئے اور اپنے ہمسایوں سے کٹ کر دُور چلے گئے ہیں اور اپنی الگ دُنیا میں رہنے لگے۔ پیشہ و حالات کی وجہ سے ان کی رہائش، تمدن اور رسم و رواج میں اپنی طرز کی کچھ فرق اور تبدیلی پیدا ہونے لگی، جو گوجروں سے بہت حد تک ملتے جلتے ہیں۔ اگر ان کے گوت اور ذات راجپوت و دیگر طبقوں کے لوگوں سے مشابہت رکھتے ہیں، جیسے گوجر اس شاخ سے ہیں اِسی طرح یہ طبقہ بھی اسی شاخ سے تعلق رکھتا ہے۔ شکل و صورت اور نقش و نگار و قد کے لحاظ سے بھی یہ لوگ گوجروں سے ملتے جلتے ہیں۔ دلیری، بہادری، مہمان نوازی اور غیرت کے اعتبار سے یہ لوگ بھی گوجروں کی طرح صفِ اول میں ہیں۔ مگر اب سوائے گوت اور ذات یا کچھ قدیمی روایات چھوڑ کر باقی سب باتوں میں نئے حالات کی روشنی میں الگ اپنی زندگی گذارنے لگے۔ جس کی تصویر آج ہمارے سامنے ہے۔ اِن کی زندگی کا یہ گذر انسانی تہذیب کے لئے ایک سنگین چیلنج ہے۔ اِن کی زندگی گوجروں سے بھی بدتر ہے، جو ان کی حالتِ زار کی داستان خاموش رہ کر بتاتی ہے۔ یہ لوگ عموماً پونچھ کی وادی، راجوری، جموں، اُودھم پور، ریاسی اور کٹھوعہ کے علاقوں میں سردی کا موسم گذارنے کے لئے آتے ہیں سرینگر صوبہ کے بارہ مولہ اور اننت ناگ کے ضلعوں میں بھی یہ لوگ رہتے ہیں۔ ان کے ریوڑوں کی چراگاہیں دُور دراز جنگلوں

اور پہاڑوں کی ڈھلان پر واقع ہیں۔ جہاں موسم گرما میں یہ اپنے ریوڑ لے جاتے ہیں۔ انہیں بھی چرانہ کیلئے جنگلات سے پرمٹ حاصل کرنا پڑتا ہے۔ جب یہ لوگ اپنے ریوڑوں کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ گھاس کی تلاش میں چراگاہوں کی طرف جاتے ہیں تو یہ کارواں کی شکل میں اکھٹے ہوکر چلتے ہیں۔ اِن میں کچھ بکروال زمیندار بھی ہیں، جن کے پاس کھیتی باڑی کے لئے زمینیں بھی ہیں۔ مگر ان کی تعداد بہت کم ہے۔ یہ ایک بدقسمتی کی بات ہے کہ اس طبقہ کے صحیح اعداد وشمار حاصل نہیں ہیں۔ کیونکہ جب بھی اِن کا ذکر آتا ہے، تو وہ اکھٹا گوجر، بکروال کے نام سے آتا ہے۔ جس سے یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ ریاست میں ان کی تعداد کتنی ہے اور بجٹ کا کتنا روپیہ اِن کے لئے کس مقصد کے فلاح وبہبود کے لئے مخصوص ہوا ہے نیز خرچ ہوا ہے۔ اِن کے حالات کا پوری طرح سے جائیزہ لینے کے لئے یہ اَز بس ضروری ہے کہ ان کے متعلق پوری وضاحت سے تفصیل مہیا کی جائے۔ فی الحال غیر مصدقہ طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ ریاست میں اِن کی تعداد قریباً ایک لاکھ سے کچھ زیادہ ہے۔ مگر صحیح اعداد وشمار سرکاری تفصیل فراہم ہونے پر ہی معلوم ہو سکتی ہے۔

اِن کی ابتدائی تاریخ گوجروں کی طرح ہی ہے، جو اس ملک کے قدیمی باشندے ہیں، جو قدیم ماضی کے جنگ وجدل سے

متاثر ہوکر یا قحط سالی کی وجہ اپنے آبائی علاقوں سے ہجرت کر کے ریاست جموں وکشمیر میں وارد ہوئے۔ اور اپنی سہولیات کے مطابق جہاں مناسب سمجھا وہاں آباد ہو گئے۔ یہ طبقہ دو فرقوں میں منقسم ہے۔ جو کہناری بکروال اور الائی والی بکروال کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ لوگ اپنی پشتینی روایات کے مطابق مہمان نواز، سخاوت اور شجاعت میں قابل تعریف ہیں۔ ان کی عادت کینہ آتش ہوتی ہے۔ خاندانی عداوت کا انتقام لینے کے لئے یہ اپنی خواہش کو دبائے رکھتے ہیں اور بدلہ لینے تک چین سے نہیں بیٹھتے۔ ان کی زندگی غیر مستقل اور گھومتو ہے۔ جو خیموں میں اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان کا یہ خیمہ بھی عارضی طرز کا ہوتا ہے، جو موٹے قسم کے کپڑے کے نیچے چند ڈنڈے اور رسیاں باندھ کر خیمہ کی شکل سما بنا لیتے ہیں۔ ہوا۔ آندھی۔ بارش۔ برف کی بوچھاڑ میں وہ اسی کپڑے کے نیچے زندگی بسر کرتے ہیں۔ کپڑے و بستر بھی اِن کے پاس ضرورت سے کم ہی پھٹے پرانے، میلے کچیلے ہوتے ہیں۔ کپڑے جو یہ لوگ استعمال کرتے ہیں، لمبائی اور چوڑائی میں استعمال کرنے کی وجہ سے بہت بھاری ہوتے ہیں۔ میلے اور گندے ہونے پر بھی یہ شاذ و نادر ہی بدلتے ہیں۔ اِن کی طرز رہائش، صاف ستھری نہیں ہوتی۔ یہ جو جوتا پہنتے ہیں، وہ بہت وزنی ہوتا ہے۔ ان لوگوں کا اپنی پنچایت ہوتی ہے، جسے یہ لوگ گوجر کہتے ہیں۔ ان کا

یہ مرگہ عام طور سے بزرگ لوگوں کا ایک مجموعہ ہوتا ہے، جو اپنے قبیلے کی بہبودی کو مدِ نظر رکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اِن کے جھگڑے عموماً عورتوں اور چراگاہوں کے متعلق ہوتے ہیں، جہاں یہ خود بیٹھ کر فیصلہ کرتے ہیں اور اِسے ان کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

اِن کی زندگی خانہ بدوش ہے، جیسے کہ اُوپر ذکر کیا گیا ہے۔ برف بھاری اور آندھی کے طوفان ان کے لیے مصیبتوں کا باعث ہوتے ہیں۔ اس پر بھی وہ ہمت کے ساتھ اپنی بھیڑ بکریوں کو لیے قدرتی نظاروں اور سبزہ زاروں کے بیچ برفانی چوٹیوں کے دامن میں ٹھنڈی آبشاروں کے کنارے یہ لوگ اپنی زندگی کے دِن گذر کرنے کے لئے مجبور ہیں۔ ان کی آمدنی کا ذریعہ بھیڑ بکریوں کی اون وبال اور گوشت کے لئے بھیڑ، بکریوں کو فروخت کرنے پہ منحصر ہے۔ کچھ لوگ مزدوری بھی کرتے ہیں اور کچھ لوگ کاشتکاری کی طرف بھی متوجہ ہوتے ہیں۔ اس کے لئے کچھ نوتوڑ بھی حاصل کیے ہیں۔ گرمیوں میں جب یہ لوگ پہاڑوں کی طرف ریوڑ لے کر جاتے ہیں تو ان میں سے کچھ کاشتکاری کرنے اور اپنے مکانوں کی حفاظت کے لئے وہیں رہ جاتے ہیں۔ اس طرح اپنے ہل بوتے پر وہ غیر مستقل زندگی کی لعنت کو ختم کرنے کی کوشش میں ہیں۔ موسم سرما میں جب سردی شروع ہو جاتی ہے، تو یہ لوگ پہاڑوں کی تلہٹی میں آجاتے ہیں، جہاں یہ لوگ عارضی طور سے مقام پذیر

ہو جاتے ہیں۔ ان کا یہ سلسلہ اسی طرح صدیوں سے چلا آرہا ہے۔
راجوری، اُودھم پور، جموں، کٹھوعہ اور پونچھ کے علاقوں تقریباً ہر
گاؤں خصوصاً پہاڑی اور کنڈی کے علاقوں میں یہاں آکر رہتے ہیں،
جہاں قدرتی گھاس و جھاڑیاں اور درخت بہتات سے میسّر ہوں۔
جونہی گرمی شروع ہوتی ہے، یہ لوگ اپنے خیموں کو اُکھاڑ کر اپنی
اپنی چراگاہوں کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ چراگاہوں کو جانے کا راستہ
ان کا وہی پُرانا ہے۔ جس راستے ان کے بزرگ جاتے تھے۔ مثلاً
جو بکروال پونچھ، راجوری، نوشہرہ اور کالاکوٹ کے علاقوں میں
رہتے ہیں، وہ اپنے پُرانے مغل روڈ کے راستے اپنی اپنی چراگاہوں
کو جاتے ہیں۔ یہ راستہ مغل بادشاہوں نے کشمیر جانے کے لئے
بنوایا تھا، جو لاہور سے شروع ہو کر گجرات، بھمبر، نوشہرہ،
راجوری سے ہوتا ہوا بہرام گلہ کو عبور کر کے شوپیاں کے مقام پر
وادی کشمیر میں داخل ہوتا ہے۔ اب بھی یہ لوگ انہی پُرانے راستوں
سے آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ پیر پہاڑ کے دامن میں آکر ایکدوسرے
کو ملتے ہیں۔ جو نوشہرہ۔ چنگش سے جاتے ہیں، وہ ڈیرہ گلی
سے ہو کر وہاں اِس پہاڑ کے دامن میں پہنچتے ہیں۔ گویا کہ اس
علاقے کے بکروال تین راستوں کے ذریعہ وہاں آکر اکٹھے ہوتے
ہیں۔ یہاں سب اِکٹھے ہو کر یکے بعد دیگرے ان کا کارواں بہرام گلہ
کو عبور کر پیر پہاڑ سے ہوتے ہوئے علی آباد کی سرائے سے ہو کر دوبجن

کے مقام پر پونہچتے ہیں۔ یہاں سے اِن کا راستہ دوؔ شاخوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ ایک شاخ دوسجن سے شوپیاں۔ پامپورہ اور سرینگر سے ہوکر براستہ شالیمار باغ اور ہارون سے کنگن پونہچتے ہیں۔ یہاں سے ایک حصہ سونہ مرگ کی جانب چلا جاتا ہے، دوسرا وانگت سے ہوکر گنگا بل اور تلیل کی چراگاہوں میں چلا جاتا ہے۔ دوسری شاخ دوسجن سے یوس مرگ، چرار شریف اور رام باغ پونہچتی ہے۔ یہاں سے ایک حصہ عیدگاہ، صورہ، پاندچھ اور گنگا بل سے ہوکر کنگن پونہچتا ہے۔ یہاں سے آگے کچھ بکروال سونہ مرگ کی چراگاہوں کی طرف اور کچھ براستہ وانگت تلیل کی طرف چلے جاتے ہیں۔ پونچھ علاقے کے کچھ بکروال براستہ منڈی کوہ پیر پنچال کو جمبا گلی راستہ ناصہ فیروز پور کے ساتھ ساتھ تنمرگ پونہچتے ہیں۔ یہاں سے وہ بانڈی پور ہوکر گریز کی سرسبز چراگاہوں میں چلے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ نور پور والے راستے کھاک سے وادی میں داخل ہوکر سنبل پار کر بانڈی پور سے ہوکر علاقہ گریز میں چلے جاتے ہیں۔ اور اسی راستے گوجر اور بکروالوں کا کچھ حصہ ٹنگمرگ سے وادی میں داخل ہوکر بارہ مولا اور لولاب کی پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ بنی ہوئی چراگاہوں میں چلا جاتا ہے اور چند بکروال کُنبے گلمرگ کے نزدیک پیر پنچال کی چراگاہوں میں ہی رہ جاتے ہیں۔ مثلاً چھوٹا دھنورس، پنڈن اور چور پنچال کی چراگاہیں۔ کیونکہ بکروالوں کے قافلے کوہ

پیر پنچال کو گوراٹہ کے راستہ پار کرتے ہیں۔ پھر وہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ ایک حصہ وادی کو پار کر کے براستہ لار وادی، تلیل اور سونہ مرگ کی چراگاہوں کی طرف چلا جاتا ہے اور دوسرا حصہ پہلگام کی طرف ہوتا ہوا آگے چراگاہوں میں چلا جاتا ہے۔

صوبہ جموں کے علاقوں میں رہنے والے بکروالوں کے قافلے جب کٹھوعہ، اودھم پور، جموں اور ریاسی کے گرد و نواح سے اپنے سب گھر بار اور ساز و سامان کے ساتھ جب چراگاہوں کی طرف کوچ کرتے ہیں، تو یہ بی، سی، روڈ کے راستے ہوتے ہوئے کدُ کی پہاڑیوں کو عبور کر کے بٹوٹ میں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں سے یہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ پہلا حصہ بٹوٹ سے رام بن پہنچتا ہے۔ یہاں سے کچھ بکروال دوسری جانب بوگل نیل۔ پرستان سے ہو کر ڈوڈہ کی پہاڑیوں سے گذرتے ہوئے علاقہ مڑوہ سے آگے کی چراگاہوں میں چلے جاتے ہیں۔ رام بن سے دوسرا حصہ بانہال چلا جاتا ہے اور یہاں سے جواہر ٹنل عبور کر کے وادی کشمیر میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ویری ناگ کے مقام پر ایک حصہ ڈکسم ہو کر واڑون کی چراگاہوں کی طرف چلا جاتا ہے اور دوسرا حصہ اننت ناگ سے ہوتا ہوا پہلگام پہنچ کر آگے چراگاہوں میں چلا جاتا ہے۔ بٹوٹ سے دوسری شاخ براستہ ڈوڈہ، کشتواڑ پہنچتی ہے۔ کشتواڑ سے یہ دو راستے اختیار کرتے ہیں۔ ایک حصہ سنوندر اور مڑوہ ہوتا ہوا

کشتواڑ کی چراگاہوں میں چلا جاتا ہے۔ کشتواڑ سے دوسرا حصہ سنتھن اور سنگھ پورہ کی چراگاہوں میں چلا جاتا ہے۔ گویا یہ بکروال دشوار گذار گھاٹیوں، جنگلوں و پہاڑوں کے راستوں سے گذر کر چراگاہوں کو جاتے ہیں، جو نقشوں میں دکھائے گئے ہیں۔

بکروال طبقہ کے متعلق مختصراً کچھ حالات کا ذکر کیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ زمانہ حال کی سائینس کی روشنی میں اور جمہوریت کے اس دور میں جہاں ملک کے باشندوں کو پورا تحافظ دینے کی یقین دہانی دی گئی ہے وہاں بکروال طبقہ اسی طرح زمانہ قدیم کی طرح پسماندگی اور جہالت کی گندگی میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جمہوریت کی شعاع ابھی تک ان لوگوں کے پاس نہیں پہنچی ہے۔ ملک کی اقتصادیات میں ان لوگوں کا پورا دخل ہے۔ بھیڑ بکری پال کر اون اور گوشت پیدا کر کے فروخت کرتے ہیں۔ ان کی پیداوار زندگی کے لئے ایک اہم حصہ ہیں۔ لہذا یہ ایک قوم کا خزانہ ہے، جسے بہتر اور باشعور شہری بنانے کے لئے سرکار کا قومی فرض ہے۔ ان میں فلاح و بہبود کے کام کرنے کی بہت ضرورت ہے۔ ٹرائیب کے طور پر ان کا تحفظ ہونا لازمی ہے تاکہ خصوصیت سے ان کے لئے زیادہ بجٹ منظور کیا جا سکے یہ صرف سرکار کا ہی کام ہے۔ اس کے علاوہ ان کی خانہ بدوش زندگی کی لعنت ختم کرنے کیلئے تعمیری طور سے کام کی اشد اور فوری ضرورت ہے۔

(۴۷) گدّی

ریاست میں گوجر اور بکروال طبقوں کے علاوہ دو طبقے اور بھی ہیں، جو گدی اور بھوٹ کے نام سے مشہور ہیں۔ گدی طبقہ کے لوگ بسوہلی، اودھم پور اور بھدرواہ کے اندرونی پہاڑی علاقوں میں رہتے ہیں۔ یہ ہماچل کے ضلع چمبہ کی بھرمور تحصیل کے گدّی ٹرائیب کی شاخ ہیں۔ یہ ہندو دھرم کے پیروکار ہیں۔ یہ بکروالوں کی طرح بھیڑ بکری پالتے ہیں۔ انہی کی طرح یہ بھی کچھ حد تک خانہ بدوش ہیں۔ گرمیوں اور سردیوں میں اپنے ریوڑوں اور مال اسباب کے ساتھ گھومتے رہتے ہیں۔ ان کی بھی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں ان کی حالت قابل رحم ہے۔ مگر ابھی تک سرکار کی توجہ اس طبقہ کے فلاح و بہبود کی طرف مبذول نہیں ہوئی۔ جب کہ یہ بھی ریاست کی آبادی میں شریک کار ہیں۔ غیر تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے سرکار کے کسی محکمہ میں اور حکومت میں کسی بھی جگہ ان کی کوئی نمائندگی نہیں ہے۔ سرکار میں ان کی آواز نہ ہونے کی وجہ سے یہ اپنے مسلوں اور زندگی کی پریشانیوں میں پس رہے ہیں۔ ۱۹۶۱ء کی مردم شماری رپورٹ کے مطابق گدی (بھرموری) بولنے والوں کی تعداد صوبہ جموں میں 1832 افراد پر مشتمل تھی۔ ان میں سے 943 مرد اور 889 عورتیں ہیں۔ ضلع وار اس زبان کو استعمال کرنے والوں

کی تعداد مندرجہ ذیل ہے:۔

نمبر شمار	نام ضلع	مرد	عورت	میزان
(۱)۔	ڈوڈہ	632	710	1342
(2)۔	جموں	389	297	686
(3)	کٹھوعہ	231	233	464
(۴)	پونچھ	19	-	19

1971ء کی مردم شماری کی رپورٹ کے مطابق ریاست میں اس زبان کے استعمال کرنے والوں کی تعداد 3056 ہے۔ ان گدی لوگوں نے اس ریاست کو اپنا گھر بنایا ہے۔ کئی نسلوں سے یہ یہاں پر آباد ہیں۔ اگرچہ ان کی طرز زندگی بکروالوں کی طرح ہے مگر ان کا تمدن اور رسم و رواج اور طور طریق اپنے ڈھنگ کے نرالے ہیں۔ جب کہ بکروال لوگوں نے اسلام مذہب کو اپنایا ہے۔ ان کا لباس خاص قسم کا ہوتا ہے۔ یہ اون کی موٹی پٹی کا سفید چولا پہنتے ہیں جو گھٹنوں کے نیچے تک ہوتا ہے اور اون کا ہی سفید پاجامہ جو ٹانگوں کے ساتھ لگا ہوا ہوتا ہے، پہنتے ہیں۔ کمر میں کالی اون کی ۵۰ یا ۶۰ گز لمبی رسی لپیٹ کر باندھتے ہیں اور پاؤں میں موٹا جوتا استعمال کرتے ہیں۔ اس طرز لباس میں یہ لوگ جنگلوں کی مسافت طے کرتے ہیں۔ ان کی عورتیں بھی اسی قسم کا ہی

لباس پہنتی ہیں۔ وہ بھی اپنی کمر میں بہت لمبی اون کا کالا رسّہ لپیٹ کر باندھتی ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے لباس کو نہیں بدلا۔ اس لباس سے دُور سے ہی پہچان ہو جاتی ہے کہ ان کا تعلق گدّی طبقہ سے ہے۔ مگر ان کی مالی حالت بکروالوں کی نسبت بہت خستہ حال ہے۔ ان کے پاس رہنے کا کوئی خاطر خواہ ٹھکانہ نہیں ہے اور نہ ہی ان کے پاس کاشتکاری کیلئے ہی کوئی زمین ہے۔ اپنے ریوڑوں کے ساتھ یہ جنگلوں کے دُور دراز علاقوں اور پہاڑوں کی اونچی اونچی چوٹیوں میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ لہٰذا سماج کا ایک ضروری اور کارآمد جُز بنانے کے لئے بجٹ میں ان کے لیے کچھ تجاویز ہونا لازمی اور ضروری ہے تاکہ اس کے مُطابق عمل پیدا ہو سکے۔ اگر بروقت ان کے فلاح و بہبود کی طرف دھیان نہ دیا گیا تو سماج کیلئے ایک بوجھ بن کر کھڑا ہو جائیگا۔ لہٰذا ان میں بھی پوری تندہی کے ساتھ سعی و کوشش کا کام ہونا چاہیئے۔

اسی طرح دوسرا طبقہ بھوٹ ہے' جو لداخ کے گرد و نواح میں رہتے ہیں۔ ان میں بھی کچھ اسلام کے پیروکار ہیں اور کچھ بُدھ دھرم کے۔ یہ سردیوں میں مزدوری کی تلاش میں سرینگر اور جموں کے علاقوں میں آتے ہیں۔ ہماچل میں بھی یہ لوگ مزدوری کے لئے جاتے ہیں۔ ان کی حالت بھی قابل رحم ہے۔ انہیں باشعور شہری بنانے کے لئے موثر اقدام اُٹھانے کی ضرورت ہے۔ پانچسالہ منصوبہ میں ان

دونوں طبقوں کیلئے کوئی بجٹ مخصوص نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ریاست کے منصوبے کا تخمینہ بناتے وقت سرکار کے ذمہ دار افسران کی توجہ اس طرف مبذول نہیں ہوئی۔ اول تو سرکار کی ذمہ داری کے زمرہ میں یہ آتا ہے کہ وہ اپنی ریاست میں آبادی کے ہر طبقے کا خیال رکھے۔ ان لوگوں میں قیادت کرنے کی کمی ہونے کی وجہ سے اپنی جائز آواز سرکار کے کانوں تک پونہچانے میں محروم ہیں۔ اس لئے سرکار نے بھی ان کی طرف دھیان نہیں دیا۔ یہ لوگ انتہائی پسماندہ ہیں اور جہالت کے گڑھے میں پڑے سسک رہے ہیں۔ ان کا کوئی پرساں حال نہیں ہے۔ اس لئے ان دو طبقوں کے لوگ بھی اس رعایت کے حق دار ہیں۔ جو گوجروں اور بکروالوں کو حاصل ہے۔ پانچسالہ منصوبہ میں ان کے فلاح و بہبود کے لئے بھی بجٹ مخصوص ہونا چاہیئے تاکہ یہ لوگ بھی ترقی کی منزل پر گامزن ہو سکیں۔

ان دونوں طبقوں کی بہتری و بہبودی کے لئے بنیادی طور پر یہ ضروری ہے کہ ان کی آبادی کے صحیح اعداد و شمار مہیا کیئے جائیں۔ اس خامی کو دیکھتے ہوئے ۱۹۸۱ء کی اگلی مردم شماری میں۔ ان کا صحیح اندراج ہونا چاہیئے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ریاست میں ان کی آبادی کی تعداد کتنی ہے۔

ایسی اُمید بھی کی جاتی ہے کہ گوجروں اور بکروالوں کے فلاح و بہبود کا بورڈ اپنے دائرہ کار میں ان گدی اور بھوٹ

RekhtaDownload.com

طبقوں کے لوگوں کی بہبود کے لئے کوئی لائحہ عمل تیار کر کے ان میں بھی کام کرنے کی طرف متوجہ ہوگا تاکہ یہ لوگ بھی قوم کا ایک قیمتی جُز بن سکیں۔ یہ لوگ صدیوں سے جہالت کی زندگی میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کے کئی مسائل ہیں۔ اقتصادی حالت ان کی اتنی خراب ہے کہ اسے قلمبند کرنا مشکل ہے۔ سماجی طور سے یہ ازحد پس ماندہ ہیں۔ سرکار کے کسی محکمہ میں ان کا کوئی ملازم نہیں ہے کیونکہ تعلیمی معیار سے یہ لوگ بہت پیچھے ہیں۔ گویا کہ ان کے ہر شعبہ میں بہت کام کرنے کی ضرورت ہے۔

RekhtaDownload.com

(XVI) شیخ سرکار کے کارہائے نمایاں

جب ہم حالات کا جائزہ لیتے ہیں اور قوم کی تعمیر کے متعلق ماضی کے ساتھ مقابلہ کرتے ہیں، خاص کر گوجر طبقہ کے فلاح و بہبود کی تفصیل پر جب نظرِ ثانی کی جاتی ہے تو ہم یہ توقع نہیں کر سکتے کہ جمہوریت کے اس دَور میں سرکار کی توجہ اِن کی طرف مبذول نہیں ہوئی، اگرچہ ان میں کچھ بہبود کے کام ہوئے ہیں۔ مگر جو کچھ بھی ہوا ہے اتنا کم ہے کہ وہ کسی شمار میں نہیں ہے۔ کیونکہ اِن بہبود کے کاموں میں کوئی نمایاں اثر دکھائی نہیں دیا۔ آزادی حاصل ہونے کے بعد بہت سالوں تک ان کی طرف نہ کوئی سرکاری محکمہ اور نہ ہی کوئی غیر سرکاری اِدارہ متوجہ ہوا۔ اور نہ ہی پانچسالہ منصوبہ میں اِن کے بہبود کے لئے کوئی بجٹ ہی مخصوص کئے گئے۔ مگر شیرِ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کے برسرِ اقتدار آنے پر اس طبقہ کے فلاح و بہبود کے کاموں میں تیزی آئی۔ ان سکیموں اور پروگراموں کے ساتھ ان پسماندہ لوگوں کی بہبود کے لئے سرکار نے شیخ صاحب کی قیادت میں جامع پالیسی کو مرتب کیا، جس کے تحت ریاست کے اِن پسماندہ طبقوں پر خاص توجہ دی جانے لگی تاکہ وہ بھی ترقی کی دوڑ میں برابر کے شریک کار ہو سکیں۔ اِنسانی رواداری۔ اخلاقی و تمدنی ذمہ داریوں اور

اشرف مخلوقات کی خدمت کی نکتہ نگاہ سے برسر اقتدار آتے ہی ریاست کے کمزور اور پسماندہ طبقوں کے لئے ان کی حکومت نے ایک لائحہ عمل تیار کیا، جس کے تحت ہر ایک محکمہ نے اپنے مخصوص بجٹ کے مطابق ان لوگوں کے بہبود کے لئے کام کرنا شروع کیا۔ سب سے پہلے شیخ صاحب نے اپنی قیادت میں ان کے فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے غیر سرکاری طور سے جموں و کشمیر گوجر بکروال بورڈ کا قیام عمل میں لاکر ان کو اپنے تحفظ میں لے لیا۔ قوم کی تعمیر اور ترقی میں چونکہ بیگم شیخ محمد عبداللہ کو بھی بڑی دلچسپی رہی ہے اور وہ ایک سرگرم سوشل ورکر کے طور پر عملی میدان میں ان کی مدد کے لئے آگے بڑھی ہیں۔ اس لئے وہ بھی اس بورڈ کی وائس چیرمین ہیں۔ اس کے علاوہ گوجروں اور بکروالوں کے نمائندے بھی اس بورڈ کے ممبر ہیں۔ اسمبلی و کونسل کے ممبران بھی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ سب ممبران پوری تن دہی اور جانفشانی سے اس تعمیر میں پورا تعاون دیتے ہیں۔ اس طبقہ کے لوگوں کے لئے یہ خوش نصیبی ہے کہ آج ان کی بہبودی کے لئے وہ بھی حصہ دار ہیں، جبکہ پہلے صرف دوسرے لیڈران کو فکر دامنگیر تھی۔ اب یہ بھی شانہ بشانہ ان کاموں میں ہاتھ بٹاتے ہیں اور اپنی بہتری و بہبودی کے پروگراموں کو مرتب کرنے کے لئے شریک کار ہیں۔

RekhtaDownload.com

شیخ عبداللہ کے دورِ حکومت میں ان میں پیدا شدہ احساس کمتری کو ختم کرنے اور ان کے تمدن میں روانگی و تازگی لانے کے لئے ریڈیو سٹیشن جموں سے گوجری زبان میں ان کے پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔ ان کے لوک گیت، ڈرامے وغیرہ براڈکاسٹ کئے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں گوجری زبان میں خبریں بھی نشر کی جاتی ہیں۔ اِس زبان کی حوصلہ افزائی کے لیے نوجوان لڑکے و لڑکیوں کے مختلف پروگرام ریڈیو پر دیئے جاتے ہیں۔ اِن سب نشریات اور پروپگنڈہ سے ان میں برابری کا احساس اور خود داری پیدا ہوئی ہے اور یہ طبقے بیدار ہوئے ہیں۔ ان پروگراموں سے جہاں ان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، وہاں دوسرے لوگوں کو بھی ان کے ماضی کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ ان پروگراموں سے ان کو یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ وہ بھی ملک و قوم میں برابر کے شریک کار ہیں۔

اس کے علاوہ ریاست کے محکمہ پلاننگ میں سرکار نے ایک ایسا سیل (Cell) قائم کیا ہے، جس کا کام صرف گوجر اور بکروال لوگوں کے بہبود کے لئے بجٹ مخصوص کرکے مختلف متعلقہ محکموں کی ذمہ داری کے تحت الاٹ کرتا ہے۔ ان کی سماجی، تمدنی و اقتصادی ترقی کے لیے غور و خوض کرتا ہے۔ یہ اسی سرکار کا ہی کارنامہ نمایاں ہے، جس نے محکمہ پلاننگ میں ان کی ترقی

کے لئے ایک سیکشن کا قیام کیا، جو ریاست کے منصوبہ کے ساتھ ان لوگوں کے لئے بجٹ مخصوص کرنے کا خاص دھیان رکھتا ہے۔ مخصوص شدہ بجٹ خرچ کرنے کی ذمہ داری چونکہ متعلقہ محکمہ پر ہوتی ہے اس لئے ان میں فلاح و بہبود کے کاموں کا ہونا ضروری بن جاتا ہے۔ یہ بھی ایک خاص وجہ ہے کہ ان میں کچھ عرصہ سے جو بہبود و ترقی کے کام ہوتے ہیں وہ محکمہ پلاننگ کا ہی اہم کردار ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اسی طرح اگر ان کے لئے محکمہ پلاننگ بہبود کے کام اور سکیمیں مرتب کرتا رہا اور بجٹ بھی مخصوص کرتا رہا اور ساتھ ساتھ ہی اگر حکومت کی پالیسی ایسے کاموں کے جاری رہنے کے متعلق رہی، تو جلدی ہی ان لوگوں کی ترقی کے نشانے پورے ہو جائیں گے۔

ریاست کی کلچرل اکاڈمی میں بھی ریاست کی سرکار نے ایک ایسے سیکشن کا قیام عمل میں لایا ہے، جسے گوجری سیکشن کہا جاتا ہے، جو خاص طور سے ان لوگوں کے تمدن و زبان کو فروغ دینے کے لئے کام کرتا ہے۔ ان کی سماجی زندگی اور روایات کی اہمیت کو منظر عام میں لا کر ان کی خوبیوں کی وضاحت کرتا ہے۔ اسی طرح ان کی پوشیدہ ماضی کی شہرت کی معلومات ان لوگوں کو فراہم کرتا ہے۔ گویا کہ وہ ان کی پوری طرح سے دیکھ بھال کرنے کے کام میں مصروف رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے تمدن

روایات اور رسم و رواج میں طرح طرح کی تحقیق ہونے سے انہیں آگے بڑھنے کا موقع ملا ہے اور کافی دلچسپی اور بیداری پیدا ہوئی ہے۔

ریاست کی سرکار نے اپنی پالیسی کے مطابق محکمہ سوشل ویلفیئر کی وزارت میں ان لوگوں کے فلاح و بہبود کے لئے خاص طور سے ڈپٹی ڈائریکٹر گوجر بکروال کی اسامی پیدا کر کے آفیسران مقرر کئے ہیں جو سارے کام کے نگراں ہیں۔ ان کے متعلق لٹریچر اشاعت کر کے لوگوں کو ضروری واقفیت بہم پہنچایا ہے، جس سے ان کے مسائل کو سمجھنے کا متعلقہ محکموں کو موقع ملتا ہے۔ ان دفتروں کے قیام سے بہت فائدہ ہوا ہے اور ان کے بہبود کی پوری طرح نگرانی ہوتی ہے۔ اس ضمن میں سرکار نے جو قدم اٹھایا ہے، وہ ایک اہم اور تواریخی قدم ہے۔ اس پالیسی کو دیکھتے ہوئے ہم یہ باوثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ شیخ سرکار کی یہ پوری خواہش ہے کہ ریاست میں یہ کمزور طبقے ترقی کی دوڑ میں برابر گامزن ہو سکیں۔ اس سے یہ امید کی جاتی ہے کہ برابر ان کے بہبود پر نظر رکھی جانے سے سکیموں کے نشانے پورے ہو سکینگے اور یہ قوم کا ایک قیمتی جزبن کر سماج میں باعزت جگہ حاصل کرے گی۔

جب ان کے فلاح و بہبود کے کاموں کا جائیزہ لیا جاتا ہے تو یہ جان کر خوشی ہوتی ہے کہ موجودہ سرکار نے سٹیٹ منسٹر

RekhtaDownload.com

کے درجے کے وزیر کی قیادت میں ایک علیحدہ وزارت کو قائم کیا ہے، جو ان کے بہبود کا نگراں بھی ہے۔ پشتو پالن، بھیڑ بکری پالن، ڈیری فارمنگ اور دیگر نسل سدھار کے پروگراموں اور سکیموں کو عملی جامہ پہنانے پر غور کرتا ہے۔ اس وزارت کا ایک الگ سیکرٹری ہے۔ سٹیٹ منسٹر ہونے کے باوجود انہیں کیبنٹ درجہ کے منسٹر کے اختیارات حاصل ہیں تاکہ وہ موقع پر ہی فیصلہ کر سکے اور ان کے کسی کام میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ خوش قسمتی سے وہ منسٹر بھی گوجر طبقہ سے ہی تعلق رکھتے ہیں، جو جناب میاں بشیر احمد لاروی ہیں اور جو ان کے مسائل کو بخوبی سمجھتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں چالو ہونے والی سکیموں اور پروگراموں کا لائحہ عمل تیار کرنے کے لئے وزارت ان کی قیادت میں اہم تجاویز اور ہدایات جاری کرتا ہے، جس سے ان کے کام میں سرگرمی پیدا ہوتی ہے اور بروقت نشانے پورے ہوتے ہیں۔ گویا کہ اس وزارت کے قیام سے ان لوگوں کو پورا تحفظ ملا ہے۔ ترقی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کی انہوں نے راحت محسوس کی ہے۔

ختم شد

ملنے کا پتہ: شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجران کتب
ایکسچینج روڈ۔ گاؤکدل چوک سری نگر (کشمیر) فون ۷۲۰۸۱

جموں و کشمیر

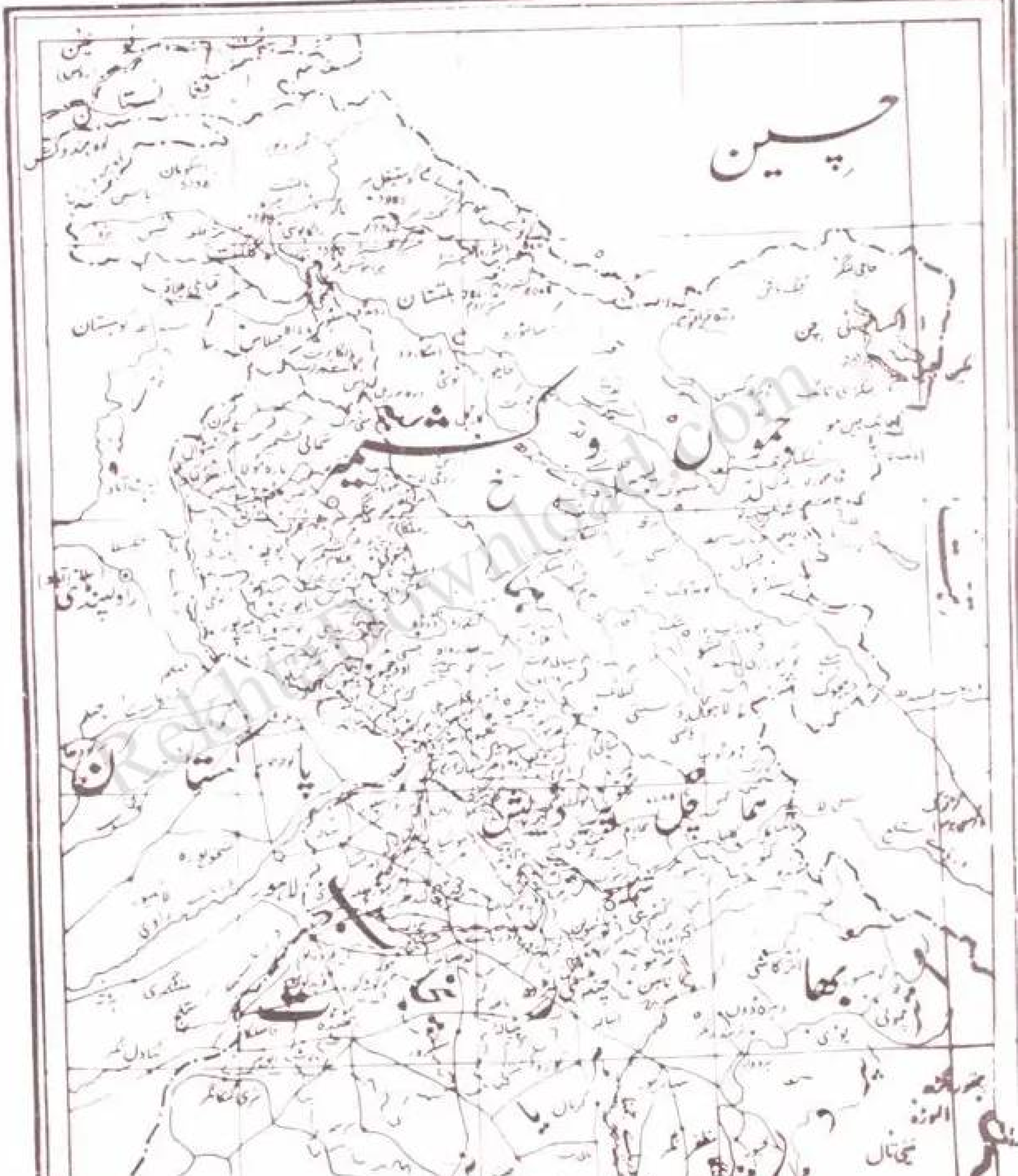
چین
جموں و کشمیر
پاکستان
ہماچل پردیش
پنجاب
گلگت
بلتستان
راولپنڈی
لاہور
میرٹھ
مراد آباد
نینی تال
الموڑہ
حصار

اُردو کی اَدبی تاریخ

جناب پروفیسر عبدالقادر سروری مرحوم صاحب نے بڑی محنت سے اس تاریخ کو پُورا کیا۔

اب وہ ہم میں نہیں رہے۔ لیکن یہ ایک ایسی تاریخ بنا کے گئے ہر طالب علم اس کتاب کا فائدہ اُٹھا سکتا ہے

پبلشرز

گُلشن پبلشرز ہری نگر (کشمیر)

قیمت: صرف -/۲۵ روپے

اقبالؔ اور فنُون لطیفہ

جناب شکیل الرحمٰن صاحب نے اس کتاب کو ڈرامائی انداز میں لکھا۔ یہ کتاب بالکل کامیاب رہی۔ آپ بھی پہلی فرصت میں خرید فرمائیں

پبلشرز

شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجران کتب گاوکدل سرینگر

فون ۴۲۰۶/۱

قیمت -/۱۵ روپے

RekhtaDownload.com

ہماری خاص خاص مطبوعات ایک نظر میں

کشمیر اور ڈوگرہ راج — ملک فضل حسین ۴۵/-
کشمیر ۱۳۱ سے ۷۷ تک — صوفی محی الدین ۱۲/-
جموں کشمیر میں اردو صحافت — ″ ″ ۱۰/-
مختصر تاریخ کشمیر — محمد امین پنڈت ۱۵/-
کشمیر کل اور آج — مس محمودہ شاہ ۵/-
محمد علی جناح — کانجی دوارکا داس ۱۲/-
جموں کشمیر کے گوجر — آر۔ آر۔ کھجوریہ ۳۵/-
ابتدائی مدارس میں پڑھانے کے طریقے — عبدالاحد شاہ ۵/-
روسو سے ڈاکٹر ذاکر حسین تک — عبدالاحد شاہ ۹/-
ایک چہرہ پر چھپائیو کلی — ڈاکٹر شکیل الرحمٰن ۱۵/-
اقبال اور فنون لطیفہ — ″ ″ ۱۵/-
حیات جاوید — ڈاکٹر قمر رئیس ۲۵/-
خیابان خیابان — روش صدیقی ۵/۴۰
دیوان میر — میر تقی میر ۲۲/۸۰
نقش فریادی عکسی — فیض احمد فیض ۶/-
درد جگر — محمد شفیع محبوب ۴/-
اردو کی ادبی تاریخ — عبدالقادر سروری ۲۵/-
جیل کے سو دن — عبدالرشید ۳/۵۰

چراغ کا اندھیرا — شبنم قیوم ۳/-
ایک زخم اور سہی — ″ ″ ۳/-
مائے منز دھائے — مکھن لال کول ۱۲/-
درد کا دریا — عمر مجید ۸/-
لداخ کی کہانی — محمد امین پنڈت ۱۰/-
جیپ جی صاحب — فاضل کاشمیری ۱۰/-
میر ضمیر — اکبر حیدری ۸/-
تحقیق و انتقاد — ″ ″ ۸/-
دلی جو ایک شہر تھا — راجندر لال ہانڈہ ۶/-
ذکر اقبال — عبدالمجید سالک ۲۰/-
مقامات اقبال — سید عبداللہ ۲۰/-
اردو تنقید کا ارتقاء — ڈاکٹر عبادت بریلوی ۳۰/-
شہر من و قلم — اکیڈمی پبلکیشنز ۲۸/-
اقبال اور تصوف — محمد فرمان ۵۰/-
ترجمہ کا فن اور روایت — قمر رئیس ۲۵/-
کشمیر ۱۳۲ سے ۷۷ تک — ثناء اللہ بٹ ۳۰/-
اقبال اور کشمیر — جگن ناتھ آزاد ۱۵/-
جموں کشمیر میں سماجی اور ثقافتی تبدیلیاں — صوفی محی الدین ۴۰/-

جموں کشمیر کے گوجر اور بکروال

مصنف:- ڈاکٹر آر۔ آر۔ کھجوریہ (اولین فرصت میں خریدیں)

شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجران کتب ایکسچینج روڈ گاؤکدل چوک سری نگر (کشمیر)

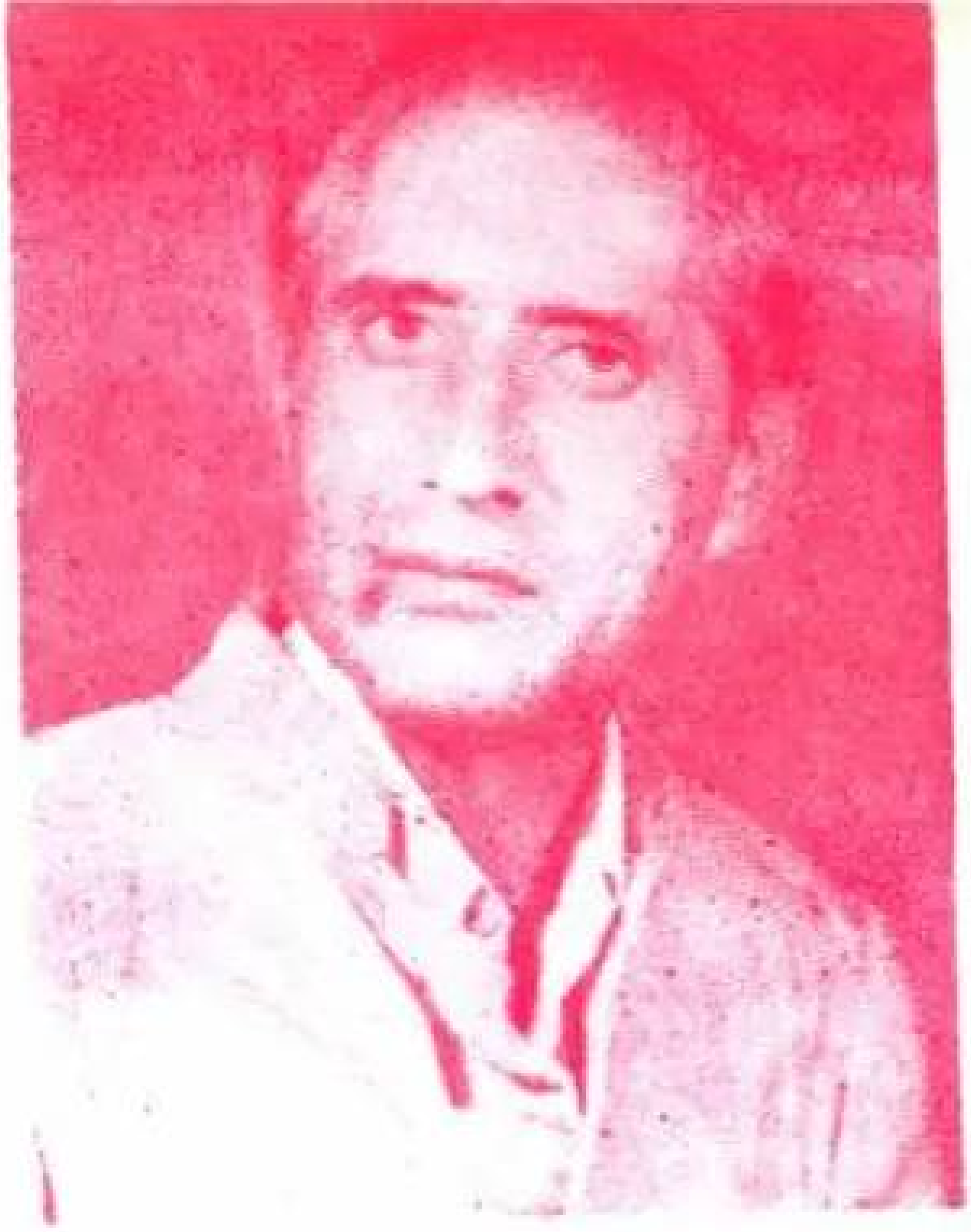

اے۔ این بھاردواج:۔ ان کی ابتدائی زندگی جرنلزم سے شروع ہوئی۔ اس سلسلہ میں ان نے ہندی میں ایک ہفتہ وار اخبار ماتری بھومی شائع کیا۔

۱۹۴۳ء کے بنگال قحط کے دنوں اڑیسہ کے قحط زدہ علاقوں کے غریب لوگوں میں کام کے بدلے اناج اور مزدوری دے کر ان کی خدمت کی۔ بعد ازاں مدھیہ پردیش کے گونڈ۔ بھیگ۔ قبائلی مظلوم لوگوں میں نمایاں کام کیا۔

ملک کی تقسیم کے وقت ۱۹۴۷ء میں کیمپ انچارج کے طور پر پاکستان سے آنے والے مہاجرین کو مختلف کیمپوں میں پناہ دینے کی ذمہ داری کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام پایا۔

یونائیٹڈ کونسل فار ریلیف اینڈ ویلفیر دہلی کے زیر اہتمام ہماچل کے گوجروں کے فلاح وبہبود کے لئے بہن مردولا سارابھائی کی قیادت میں اپنی زندگی وقف کی ان کو شیڈولڈ ٹرائیب کی لسٹ میں لانے اور ان میں خصوصی پروگرام چالو کرکے سماجی تبدیلی لانے کے کام کو بخوبی سرانجام دیا۔

بھارتیہ آدم جاتی سیوک سنگھ کی برانچ پروتیہ آدم جاتی سیوک سنگھ سکوڑہ شملہ کے صوبائی آرگنائزنگ سیکریٹری کے طور پر ہماچل کے گوجر۔ گدی۔ کنورا ور پنا والے ٹرائیبل لوگوں کے فلاح وبہبود کے کام کو سرانجام دیا۔

۱۹۶۲ء میں چین کے حملے سے متاثر سرحدی لوگوں کی اقتصادی حالت کی بہبودی کے لئے کھادی کمیشن بمبئی کے زیر اہتمام شدی یو این دھیبر کی قیادت میں بہت کام کیا بعد ازاں کھادی بورڈ کشمیر کے تحت ریاست کے پسماندہ لوگوں میں بذریعہ امداد باہمی گھریلو دستکاریوں اور صنعتی سیکٹر سے اقتصادی تبدیلی لانے کے کام سرانجام دیا۔

ملک کے اخباروں میں ان غریب پسماندہ لوگوں کے فلاح وبہبود اور ان کی سماجی زندگی کے متعلق مضامین شائع کرکے لوگوں کی توجہ ان کی طرف مبذول کی۔

اس طرح انکی ساری زندگی اشرف مخلوقات کی خدمت میں صرف ہوئی ہے۔

RekhtaDownload.com

ہماری معیاری کتابیں

کشمیر اور ڈوگرہ راج ملک فضل حسین قیمت -/۳۵	کشمیر ۳۱ سے [illegible] تک شوقی محی الدین قیمت - ۱۲	جموں کشمیر میں اردو صحافت شوقی محی الدین قیمت -/۱۰	مختصر تاریخ کشمیر محمد امین پنڈت قیمت -/۱۵	کشمیر کل اور آج مس محمودہ شاہ قیمت -/۵
جموں کشمیر کے گوجر آر۔ آر۔ کھجوریہ قیمت -/۳۵	اردو کی ادبی تاریخ عبدالقادر سروری قیمت -/۲۵	ایک چہرہ پرچھائیوں کا ڈاکٹر شکیل الرحمٰن قیمت -/۱۵	اقبال اور فنون لطیفہ ڈاکٹر شکیل الرحمٰن قیمت -/۱۵	درد کا دریا عمر مجید قیمت -/۹
لداخ کی کہانی محمد امین پنڈت قیمت -/۱۰	مائے منز زہائے مکھن لال کول قیمت - ۱۲	ایک زخم اور سہی شبنم قیوم قیمت - ۴	چراغ کا اندھیرا شبنم قیوم قیمت - ۳	ابتدائی مدارس میں پڑھانے کے طریقے عبدالاحد شاہ قیمت - ۵
روسو سے ڈاکٹر ذاکر حسین تک عبدالاحد شاہ قیمت -/۹	محمد علی جناح کانجی دوارکا داس قیمت -/۱۲	حیات جاوید ڈاکٹر قمر رئیس قیمت -/۲۵	خیاباں خیاباں روشن صدیقی قیمت ۵ ۴۴	دیوان میر میر تقی میر قیمت ۲۲/۸۰
نقش فریادی عکسی فیض احمد فیض قیمت -/۶	درد جگر محمد شفیع محجوب قیمت - ۴	جیل کے سو دن عبدالرشید قیمت ۳/۵۰	جیب جی صاحب فاضل کاشمیری قیمت -/۱۰	میر ضمیر اکبر حیدری قیمت -/۹
تحقیق و انتقاد اکبر حیدری قیمت -/۸	ولی جو ایک بہتا راجندر لال ہانڈہ قیمت -/۶	ذکر اقبال عبدالمجید سالک قیمت -/۲۰	مقامات اقبال سید عبداللہ قیمت -/۲۰	اردو تنقید کا ارتقا ڈاکٹر عبادت بریلوی قیمت -/۳۰
شیرین و قلم اکیڈمی پبلیکیشن قیمت -/۲۰	اقبال اور تصوف محمد فرمان قیمت ۷/۵۰	ترجمہ کا فن اور روایت قمر رئیس قیمت -/۲۵	کشمیر ۳۱ سے ۴۷ تک ثناء اللہ بٹ قیمت -/۳۰	اقبال اور کشمیر جگن ناتھ آزاد قیمت -/۱۵

جموں کشمیر کے گوجر اور بکروال

مصنف: ڈاکٹر آر۔ آر۔ کھجوریہ (اولین فرصت میں خریدیں)

شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجران کتب ایکسچینج روڈ گاؤکدل چوک سرینگر (کشمیر)